رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر

شرح چندہ
سالانہ ...... ے
ششماہی ...... ہے
سہ ماہی ...... عہ

قیمت پرانا پرچہ (۴/)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ آصفیہ (نمبر ۱)

شرح چندہ
سالانہ ...... ے
ششماہی ...... ہے
سہ ماہی ...... عہ

قیمت فی پرچہ (۲/)

جلد (۲) | ۲۲ امرداد ۱۳۵۱ ف | ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ | ۲۷ جون ۱۹۴۲ء شنبہ | نمبر (۱۱)

پہلے اتحاد یا آزادی؟

گاندھی جی اور راجہ جی کے اختلافات

از

ڈاکٹر سر سی آر ریڈی

گاندھی جی کی منطق کی ایک تازہ مثال ذیل میں درج کی جاتی ہے جو ارباب فکر و نظر کو ذہنی خلفشار میں ڈالدیتی ہے. چند استفسارات کے جواب میں جو احمد آباد سے کئے گئے تھے گاندھی جی نے ہندوستان کے اتحاد اور ہندوستان کی آزادی کے باہمی تعلق پر بحث کی ہے. تازہ ترین صداقت جو گاندھی جی نے منکشف کی ہے یہ ہے کہ "جب تک تیسری جماعت موجود رہے گی کوئی اتحاد ممکن العمل نہیں" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کانگریس کا یہ ادعا جس پر ربع صدی سے وہ قائم تھی غلط تھا کہ تیسری جماعت کی موجودگی کے باوجود صداقت اور عدم تشدد کا ہتھیار ایک دن ہندو مسلم اتحاد پیدا کر سکتا ہے. معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہتھیار اس کی وقتی ناکامی کا تجربہ ناکام ثابت ہوتی ہی دور از کار سمجھ کر ترک کر دیا گیا. گاندھی جی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مسٹر راجگوپال چاری ان کے ہمنوا کو ربع صدی سے ہمراز رہے ہیں وہ بھی پیش کرتے ہیں کہ بغیر اتحاد کے آزادی ممکن نہیں. مگر گاندھی جی برطانیہ کو ہندوستان سے چلے جانے کی دعوت دے رہے ہیں. نہیں یہ خبر نہیں کہ اگر یہ دعوت قبول ہی نہیں کی گئی تو اس کو کونسی قوت قبول کر سکتی ہے بجز اس کے کہ گاندھی جی برطانیہ کی نسبت اچھی رائے نہ رکھیں.

گاندھی جی کو یہ بھی یقین نہیں کہ اسوقت ہندوستان ہے اگر برطانوی اقتدار ہٹ جائے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا. وہ تسلیم کرتے ہیں کہ "اس کا برطانوی اقتدار کا مٹ جانا بذات خود معنوں آزادی کا باعث نہیں ہوگا. اس سے گو ممکن ہے اتحاد پیدا ہو یا انتشار پھیل جائے. اس کا بھی اندیشہ ہے کہ اس خلا کو پر کرنے کے لئے تیسری قوت آجائے" جب یہ امکانات موجود ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ یہ کہاں تک حد تک یقین آفریں ہو سکتا ہے کہ اگر برطانیہ برضا و رغبت منظم طریقہ سے ہٹ جائے تو اس کو ایک عظیم الشان قوم کی پر خلوص دوستی حاصل ہو جائے گی. اگر گاندھی جی یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر برطانیہ ہٹ جائے تو یہ یقینی نہیں کہ ایک عظیم الشان قوم وجود میں آجائے. ممکن ہے کہ اس قوم میں انتشار پیدا ہو جائے یا اس پر کوئی تیسری قوم مسلط ہو جائے یا اس کے بجائے کہ طور پر ہندوستان میں کوئی قوم بڑی پیمانے پر ... ہو جو برطانیہ کی پر خلوص دوستی سے برطانیہ سے استفادہ کرسکے.

اتحاد آزادی کی بنیاد ہے

اس بیرونی مسٹر راجگوپال چاری کانگریس کے خیالات بدلنے اور ان جدید خیالات کو کانگریس سے منوانے کی کوشش میں مصروف ہیں جن کو پیش کرنے کی انھوں نے جسارت کی ہے. غیر کانگریسی ارباب فکر و نظر کے لئے جو اسی قسم کے خیالات رکھتے ہیں بہتر ہوگا کہ فی الحال اس بحث سے دور رہیں. لیکن میرے خیال میں امور عامہ سے دلچسپی رکھنے والوں کا یہ فرض ہے کہ عامۃ الناس کو یہ تلقین کریں کہ مسٹر راجگوپال چاری کے خیالات کو احترام کے ساتھ سنیں تاکہ ان معاملات پر جو زندگی اور موت کی اہمیت رکھتے ہیں ٹھنڈے دل سے غور و فکر ہو سکے.

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں سماجی حالات بہت پیچیدہ بلکہ بعض صورتوں میں متضاد ہیں اتحاد اور آزادی کے باہمی تعلق کو منکشف کرنا آسان کام نہیں. خود مسٹر گاندھی کے خیال کے مطابق اتحاد لازمی طور پر آزادی کی طرف رہنمائی کرتا ہے. لیکن جو آزادی برطانیہ کے ہندوستان سے ہٹ جانے پر حاصل ہوگی ممکن ہے کہ صحیح آزادی نہ ہو. اور بہت ممکن ہے کہ اس سے انتشار پیدا ہو اور ہم ایک دوسری طاقت کے محکوم ہو جائیں. کیا یہ واضح نہیں کہ اتحاد کا تصور زیادہ اہمیت رکھتا ہے پھر یوں کہنا چاہئے کہ یہ آزادی کی بنیاد ہے. اگر مسٹر راجگوپال چاری یہ پروپگنڈہ کر رہے ہوں کہ اتحاد آزادی کی ناگزیر بنیاد ہے یا آزادی لازمی نتیجہ ہے اتحاد کا تو خود مسٹر گاندھی کی منطق کی رو سے اس میں راجہ جی کا کیا قصور ہے. جب مسٹر گاندھی کا یہ ... کہ برطانیہ ہندوستان سے ہٹ جائے. ہندوستان کے مستقبل کے متعلق ایک ازلی لگائے جس کا خود مسٹر گاندھی اعتراف کرتے ہیں اس کے برخلاف مسٹر راجگوپال چاری عمل و استدلال اور سیاسی بصیرت کی روشنی میں قدم اٹھا رہے ہیں.

خلیج کی گہرائی

وجہ ... مسٹر راجگوپال چاری ...
(۱)

ہفتہ وار
مملکت
جلد (۲) ۲۲ امرداد روز شنبہ ۱۳۵۱ف نمبر (۱۱)

اتحاد یا انتشار؟

معاصر "مشیر دکن" نے اپنی ۱۸ امرداد کی اشاعت میں ذریعہ تعلیم کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ :-

"غیر زبان کا واسطہ تعلیمی ترقی کے راستہ میں ایک سخت رکاوٹ ہے۔ اسی اصول کے مد نظر ہماری ریاست ابد مدت میں ایک ملکی زبان اردو کو واسطہ تعلیم اعلیٰ قرار دیا گیا ہے مگر اس زرین اصول کا استفادہ صرف ان طبقات رعایا کو ملا ہے جن کی مادری زبان اردو ہے۔ باقی لوگوں کو جن کی مادری زبان ملک کی کوئی اور زبان ——— تلنگی، مرہٹی یا کنٹری ——— ہے ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد کسی غیر زبان کے واسطہ سے تعلیم پانے کی مجبوری ہو رہی ہے"

ثانوی منزل میں مقامی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے کا مطالبہ بظاہر بے ضرر معلوم ہوتا ہے مگر وہ بہت دور رس نتائج کا حامل ہے۔ ذریعہ تعلیم کے مسئلہ پر مقامی معاصرین سے زیادہ ہمدردی معاصر کے صفحات پر بہت کچھ خامہ فرسائی کی جا رہی ہے۔ ان سارے اعتراضات کا ماحصل یہ ہے کہ حکومت سرکار عالی اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دے کر ہندو تہذیب کو مٹا رہی ہے اور ہندو طلباء کی تعلیمی ترقی کی رفتار میں اردو مزاحم ہو رہی ہے۔

باہمی میل جول کا واحد ذریعہ

حکومت سرکار عالی جس کی مذہبی رواداری مسلمہ ہے یہ الزام لگانا کہ وہ ہندو تہذیب کو مٹانا چاہتی ہے تنگ نظری اور تعصب کی دلیل ہے۔ اردو کو ذریعہ تعلیم اس لئے قرار نہیں دیا گیا کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے۔ جیسا کہ پنڈت جواہر لال نہرو سمجھتے ہیں اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دینا بے معنی بات ہے اردو سرزمین ہند میں پیدا ہوئی اور ہندوستان کے باہر اس کی کہیں جگہ نہیں ہے۔ اس کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ تلنگانہ، مرہٹواڑی اور کرناٹک کے تینوں علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اور باہمی میل جول اور ربط وضبط کے لئے اردو سے بہتر کوئی مشترک واسطہ موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تلنگی، مرہٹی اور کنٹری زبانوں میں سے کوئی زبان سارے ممالک محروسہ میں بولی نہیں جاتی۔ مثلاً تلنگی صرف وہی لوگ بول سکتے ہیں جو علاقہ تلنگانہ میں رہتے ہیں دوسرے علاقوں کے لوگ یہ زبان نہیں جانتے اور یہی حال دوسری مقامی زبانوں کا بھی ہے۔ ابھی حال کا واقعہ ہے کہ آندھرا کانفرنس کے سالانہ جلسہ میں مہاراشٹرا اور کرناٹک کانفرنسوں کے کارکنوں کو بھی دعوت کیا گیا تھا۔ ان کارکنوں نے تلنگی، مرہٹی یا کنٹری کے بجائے اردو میں تقریر کی۔ یہ ایک تازہ ثبوت ہے اس امر کا کہ حیدرآباد کے تین علاقوں میں ربط وضبط اور باہمی میل جول پیدا کرنے کا واحد ذریعہ اردو ہے۔ ایسی مشترک زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ ہندو تہذیب کو مٹایا جائے۔

یہ کہنا کہ حکومت سرکار عالی کی تعلیمی سرگرمیوں سے صرف مسلمان فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہندو طلباء کی تعلیمی ترقی مسدود ہو رہی ہے ایک ایسا بے بنیاد پروپیگنڈہ ہے جس کی واقعات سے تائید نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ریاست میں ہندو آبادی کو اکثریت حاصل ہے اور جس طرح محکمہ جات زراعت، امداد باہمی، صحت عامہ اور تجارت وغیرہ کی سرگرمیوں سے ہندو اکثریت فائدہ اٹھا رہی ہے اسی طرح محکمہ تعلیمات کی سرگرمیوں سے بھی وہ استفادہ کر رہی ہے۔ اگر تعلیمی اعداد وشمار پر غور کیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں بہ حیثیت مجموعی ہندو طلباء کی تعداد تقریباً (۶۰) فی صدی ہے اور باقی (۴۰) فیصدی مسلمان، پارسی، عیسائی، سکھ وغیرہ پر مشتمل ہے۔ سرکاری مدارس تمام فرقوں اور طبقوں کے لئے یکساں کھلے ہوئے ہیں جہاں تلنگی، مرہٹی اور کنٹری کو بطور ثانوی زبان پڑھانے کا معقول انتظام ہے۔

جامعہ عثمانیہ کا نصاب

ان حقائق کو نظر انداز کر کے متعصبانہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ حکومت سرکار عالی کی تعلیمی پالیسی کا منشاء اسلامی تہذیب کی اشاعت ہے۔ اور اس خصوص میں جامعہ عثمانیہ کو خاص طور پر ہدف ملامت بنایا گیا۔ مگر عوام کے ان بہی خواہوں نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ جامعہ عثمانیہ کا نصاب تعلیم وہی ہے جو دنیا کی دوسری جامعات کا ہے۔ عیسائی مدارس میں ہندو اور مسلم طلباء کو انجیل لازمی طور پر پڑھائی جاتی ہے لیکن جامعہ عثمانیہ اور اس کے ملحقہ مدارس میں ہندو طلباء کے لئے کبھی اسلامی دینیات لازمی قرار نہیں دی گئی۔ جامعہ عثمانیہ میں اور شعبوں کی طرح تلنگی، مرہٹی، کنٹری، ہندی اور سنسکرت کے شعبے بھی قائم ہیں۔ ہندو طلباء بہ نسبت ان جامعات کے جہاں ذریعہ تعلیم انگریزی ہے جامعہ عثمانیہ میں زیادہ تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔ ہندو طلباء کی تعلیمی ترقی کی رفتار کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جامعہ کے امتحانات میں امتیاز کے ساتھ کامیاب ہونے والوں کی بڑی تعداد ہندو طلباء کی ہے اس کے باوجود یہ کہنا کہ ہندو طلباء کی تعلیمی ترقی کی رفتار مسدود ہو رہی ہے ایک شرانگیز پروپیگنڈہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صدیوں سے فارسی حیدرآباد کی سرکاری زبان تھی اور حکومت حیدرآباد نے ہندو رعایا کی سہولت کے لئے فارسی کی جگہ اردو کو سرکاری زبان قرار دیا جو بتدریج ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھیل چکی تھی۔ جن لوگوں نے میکنزی کمیٹی کی رپورٹ پڑھی ہے وہ جانتے ہوں گے کہ مقامی زبان کے ان حامیوں میں سے بعض افراد نے جو اپنے آپ کو قوم پرست بھی کہتے ہیں۔ انگریزی کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ جب ایسے قوم پرست افراد عوام کی سہولت کا نام لے کر اردو کی مخالفت کرتے ہیں تو ان کی حقیقی محرکات کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔

چند اعتراضات

ہم نے اپنی ایک گزشتہ اشاعت میں مقامی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے کے مطالبہ کا تجزیہ کر کے ان سیاسی محرکات کو واضح کیا تھا جو اس لسانی مسئلہ کی تہ میں کارفرما ہیں اور وہ اعتراضات بھی پیش کئے تھے جو اس مطالبہ کی نسبت پیدا ہوتے ہیں۔ ان اعتراضات کا اعادہ ہم پھر ایک بار ضروری سمجھتے ہیں :-

بعض قوم پسند لیڈروں نے ایک خالص علمی مسئلہ کو ایک سیاسی مسئلہ بنا دیا ہے یہ حضرات ایک طرف تو کہتے ہیں کہ حیدرآباد ایک سیاسی وحدت ہے اور اس کو سیاسی وحدت کی حیثیت سے برقرار رکھا جائے۔ اور دوسری طرف ہندو کے خلاف جو ہمارے معاشرتی میل ملاپ اور ہماری سیاسی وحدت کو مستحکم کرنے کا ذریعہ ہے ایک منظم مہم جاری کر رکھی ہے۔ ہم اپنے اس خیال کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ان لیڈروں کے مطالبے کے مطابق اردو کے بجائے اگر مقامی زبانوں کو ثانوی منزل میں ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا تو وہ طالب علم جو تلنگی یا کسی دوسری مقامی زبان میں میٹرک پاس کریں گے جامعہ عثمانیہ میں جہاں ذریعہ تعلیم اردو ہے چل نہ سکیں گے اور کچھ عرصہ کے بعد یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ ایسے طلباء کے لئے تلنگی اور دوسری مقامی زبانوں میں جامعات قائم کی جائیں۔ اور فرض کیجئے کہ اس مطالبہ کو قبول کر کے حیدرآباد میں چار جامعات قائم کی گئیں تو اس کے بعد یہ مطالبہ ہو گا کہ ہر علاقہ کا نظم ونسق اسی علاقہ کی زبان میں چلایا جائے کیونکہ ان زبانوں میں مہارت رکھنے والے طلباء جن کی تعداد میں موجود ہیں۔ یہ ہمارا محض قیاس نہیں ہے بلکہ یہ مطالبہ پیش کیا جا چکا ہے کہ ہر علاقہ کا نظم ونسق اسی علاقہ کی زبان میں چلایا جائے۔

اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ ہماری سیاسی وحدت کا کیا حشر ہوگا۔ ہماری یہ سوچی ہوئی رائے ہے کہ ثانوی مدرسوں میں مقامی زبانوں کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کا مطالبہ محض مقامی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ اس کے عقب میں زبردست سیاسی محرکات کار فرما ہیں جن کو منتہائے مقصود مرکز گریز رجحانات پیدا کرکے مملکت کا شیرازہ بکھیرنا ہے۔ ہم ارباب حکومت سے متوقع ہیں کہ وہ مذہبی لیگ کے مطالبات کو جانچتے وقت اس سیاسی پس منظر کو نظر انداز نہیں کریں گے۔

مندرجہ بالا اعتراضات اب بھی اپنی جگہ قائم ہیں۔ کسی گوشے سے بھی ان کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں ملا۔ ان کو دہراتے ہوئے ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ مقامی زبانوں کے حامی ان اعتراضات سے چشم پوشی کرکے اپنا راگ بدستور الاپتے رہیں گے اور صرف یہ کہہ کر اصل مسئلہ سے گریز کر جائیں گے کہ اس مطالبہ کا مقصد اردو کی مخالفت یا مرکز گریزی نہیں ہے۔

مسٹر گاندھی بھی کہتے ہیں کہ جب برطانوی اقتدار ہٹ جائیگا تو پاکستان کی نسبت ہندوستانیوں میں کوئی سمجھوتہ ہو جائیگا یا ہندوستانی لڑینگے۔ غیر لیگی مسلمان پاکستان بذریعہ ووٹ حاصل کرینگے یا بذریعہ تلوار۔ اسی طرح مسٹر گاندھی کو پرواہ نہیں کہ ہندو اور مسلمان آپس میں لڑیں گر نہیں چاہتے کہ ہندو اور مسلمان مل کر جاپانیوں کے خلاف لڑیں۔ مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ جب تک ہندوستان میں حکومت برطانیہ موجود رہے نہ تو پاکستان ہوگا نہ ہندوستان اور نہ کوئی دستان بلکہ صرف انگلش دستان ہوگا۔ ممکن ہے کل جاپانستان ہو جائے۔ لیکن حقیقی صورت حال یہ ہے کہ جب تک سارا ہندوستان متحد ہو کر مساعی جنگ میں زبردست حصہ نہ لے جاپانستان کا وجود میں آنا یقینی ہے اور اس کے بعد ہندوستان کی آزادی کی تمناؤں کا قبرستان ہوگا۔

مدرسہ تحتانیہ مشیرآباد میں ڈرائنس کی تعلیم

جاپانستان یا آزادی کا قبرستان

سر چمن لال سیتلواڈ کا صحافتی بیان

یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ مسٹر گاندھی اور پنڈت نہرو جیسے ذی فہم اور محب وطن ازادو حقائق سے آنکھیں بند کرکے خود غرضی میں مبتلا ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ برطانیہ فوراً ہندوستان سے ہٹ جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی پہلی ضرورت آزادی ہے اور جب برطانیہ کے ہٹ جانے سے آزادی حاصل ہو جائے گی ہندوستان جاپانی خطرے سے نبٹ لے گا۔

تمام ہندوستانی خواہ وہ کسی سیاسی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں ہندوستان کی آزادی چاہتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ حالات جنگ میں محض برطانیہ کے ہٹ جانے سے ہندوستان آزادی حاصل کر سکے گا اور کیا اس آزادی کو برقرار رکھ سکے گا؟ برطانیہ کے ہٹ جانیکا پہلا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارے ملک میں انتشار اور تراج پھیل جائے گا۔ لیکن عدم تشدد کے علمبردار مسٹر گاندھی ہندوستان کو انتشار اور تاراج میں جھونک دینے کے لئے تیار ہیں۔

اگر برطانیہ ہٹ جائے تو ہندوستان جاپانی حملے کی مدافعت نہ کر سکیگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برطانیہ کی تنگ نظر پالیسی نے ہندوستان پر اعتماد کرنے اور اس کو مدافعت کے لئے خود مکتفی بنانے کا موقع نہیں دیا۔ اگر برطانیہ ہندوستان کو مدافعت کے لئے تیار کرتا اور اس کی مستقل ترقی کی حوصلہ افزائی کی جاتی تو ہندوستانی فوجیں اور ہندوستانی جنرل نہ صرف ہندوستان بلکہ برطانوی دولت عامہ کی موثر مدافعت کرسکتے۔ خیر جو کچھ ہوا اس نوبت پر برطانیہ کے ہٹ جانے کا ناگزیر نتیجہ یہ ہوگا کہ جاپان آسانی سے ہندوستان کو فتح کرلے گا۔ اسی طرح ہندوستان ایک کی غلامی سے دوسرے کی غلامی میں چلا جائے گا۔ ہندوستان کے لئے اس وقت صحیح راستہ یہ ہے کہ مساعی جنگ میں کامل تعاون کے ساتھ حصے اور تعاون کو روک دے جب خطرہ رفع ہو جائے گا ہمیں انگلستان سے اپنے تعلقات متعین کرنے اور یہ فیصلہ کرنے کا موقع ملے گا کہ ہمیں برطانوی دولت عامہ میں مساوی حصہ دار کی حیثیت سے شریک رہنا چاہئے یا بالکلیہ آزاد ہو جانا چاہئے۔ ہندوستان پر جاپانی حملے کے فوری خطرے کو رفع کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد اگر ضرورت ہو تو ہم اپنی آزادی کے لئے برطانیہ سے لڑ سکتے ہیں۔

اتحاد لازمی ہے

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پہلی ضرورت اس چیز کی ہے کہ ہندوستانی آبادی کے مختلف طبقات میں کامل اتحاد ہو۔ مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ اتحاد صرف کس صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جبکہ برطانوی اقتدار بالکلیہ ہٹ جائے اور جاپانی خطرہ رفع ہو جائے۔ وہ اس بات کو فراموش کر جاتے ہیں کہ برطانوی اقتدار کو ہٹانے سے پہلے اتحاد کی ضرورت ہے۔ وہ یہ بات بھی بھول جاتے ہیں کہ اس نوبت پر برطانوی اقتدار بالکلیہ ہٹا جائے تو جاپانی خطرہ رفع نہ ہوگا بلکہ حقیقی صورت اختیار کرے گا۔

سوباش چندر بوس گمراہ ہیں

گاندھی جی کا جواب

گاندھی جی سے ایک نامہ نگار نے یہ استفسار کیا کہ "آپ نشری بیانات نہیں سنتے اور میں نہایت شوق سے سنتا ہوں۔ ان بیانات میں آپ کی تحریرات کی اس طرح ترجمانی کی جاتی ہے کہ گویا آپ دول محور کی طرفداری اور سوباش چندر بوس کے خیالات کی جانب مائل ہیں جو بیرونی امداد سے متفق ہیں تاکہ برطانوی حکومت کو الٹ دیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں آپ اپنے موقف کی وضاحت کریں۔ آپ کے بیانات کی ترجمانی ایک خطرناک نقطہ تک پہونچ گئی ہے۔" اس استفسار کا جواب دیتے ہوئے گاندھی جی تحریر کرتے ہیں کہ "میری یہ خواہش نہیں ہے کہ میں کسی بیرونی قوت کو اس غرض سے ہموار کروں کہ وہ ہندوستان کو بیرونی غلامی سے آزاد کرانے میں مدد دے۔ میں برطانوی حکومت کے بجائے کسی اور حکومت کو جگہ دینا نہیں چاہتا۔ وہ دشمن بہتر ہے جس کو میں جانتا ہوں بہ نسبت اس دشمن کے جس کو میں نہیں جانتا۔ میں نے دول محور کے دوستانہ ادعا کو خفیف درجہ کی اہمیت بھی نہیں دی۔ اگر وہ ہندوستان آئیں گے تو نجات دہندوں کی حیثیت سے نہیں بلکہ لوٹ کھسوٹ میں حصہ لینے والوں کی حیثیت سے۔ پس سوباش چندر بوس کی پالیسی سے میرے متفق ہونے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہمارے مابین جو قدیم اختلافات رائے تھے اب بھی باقی ہیں۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ میں ان کی قربانی اور حب الوطنی میں شبہ کرتا ہوں۔ لیکن ان کی قربانی اور حب الوطنی کی ستائش کرکے میں اس واقعہ سے اپنی آنکھیں بند نہیں کر سکتا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں اور ان کا طریقہ کار ہندوستان کی آزادی کی طرف کبھی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ میں برطانیہ کی غلامی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ برطانیہ کی پالیسیوں سے ایک رہبرو کا بھی قطعی طور پر خوش نہیں ہوتا۔ ایسے خطرناک علامات ہیں جو ہندوستان کے خلاف جاپان کے منصوبوں کو کامیاب کرنے کا باعث ہو سکتے ہیں۔ ان کا صحیح علاج ہونا چاہئے ہندوستان کامل آزادی کا حامل ہو کر کسی نہیں چاہے گا۔ کہ جاپان ہندوستان میں داخل ہو۔ ہندوستان کی آرامی اور ایسے ہی ایک کرشمہ کی طرح بہ سرعت مشترک عمل میں بدل جائیں گی اور وہ اپنی آزادی کو مستحکم کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے متحدین کے ساتھ دل سے تعاون کرے گا۔

تہذیب کا مستقبل

از

سر الفرڈ زمرن

آج سے بیس برس پہلے انگریزی بولنے والے ملکوں میں بین الاقوامی تعلقات اور عام طور پر جدید تہذیب کے مستقبل کے بارے میں ہر طرف خوش امیدی کی کیفیت جاری و ساری تھی۔ پریزیڈنٹ ولسن نے مجلس اقوام کا تصور پیش کیا تھا جس سے لوگوں کی تسلی ہوئی کہ دنیا کو ایک ایسے نئے نظام کی آس بندھ گئی تھی جس میں سلطنتوں کی جنگ و جدال قصۂ پارینہ ہو جائے گی اور باشندگان عالم برادری اور باقاعدہ تعاون کے رشتۂ اتحاد میں منسلک ہو جائیں گے۔ نہ صرف عام مجلسوں میں بلکہ کلیسا کے منبروں سے بھی بادشاہت کے قدیم تصورات کو تازہ کیا جا رہا تھا۔ اور ہر طرف یہ خیال ظاہر کیا جاتا تھا کہ مجلس اقوام دنیا میں آسمانی بادشاہت کی پہلی قسط ثابت ہو کر رہے گی۔

آج واقعات کے تصادم نے خوش خیالی کے اس طلسم کو توڑ دیا ہے اور عام رائے کا رجحان بالکل ہی مخالف سمت میں ہے۔ جدھر دیکھئے مایوسی کا سا اظہار ہی ہے۔ مجلس اقوام کو بلکہ یوں کہیے کہ ان خاص خاص اقوام کو جو اس کی رکن تھیں، جنگ کے پیدا کئے ہوئے سیاسی اور معاشی مسائل کے حل کرنے میں جو ناکامی ہوئی ہے اس نے دنیا کو خود تہذیب کے مستقبل ہی کی طرف سے بدظن کر دیا ہے۔ بلکہ اب تو یہاں تک کہا جا رہا ہے کہ جس دنیا میں نفاق کی اتنی گرم بازاری ہو اور ہولناک واقعات جس کے سر پر اس طرح منڈلا رہے ہوں وہ سرے سے اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس میں زندگی بسر کی جائے۔ اس لئے اب خیر اسی میں ہے کہ مہذب باشندے ہلاکت انگیز مایوسی کو اپنا شعار بنالیں اور نسل انسانی کی افزائش سے باز رہیں۔

صفحات ہذا کی تحریر کا مقصد یہ ہے کہ جن اندرونی اسباب نے یکے بعد دیگرے مذکورہ بالا ذہنی کیفیتیں پیدا کیں ان کی جانچ پڑتال کی جائے۔ اور یہ ثابت کیا جائے کہ یہ دونوں کیفیتیں حق بجانب نہیں ہیں۔ ایک طرف ۱۹۱۹ء کی خوش خیالیاں بھی از وقت اور بے محل تھیں۔ جو لوگ ان میں مبتلا تھے انہوں نے اس مسئلہ کی وسعتوں کو نہیں دیکھا تھا جو مہذب باشندوں کو درپیش تھا اور یہی ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ محض ایک نئی قسم کی سیاسی مشینری قائم کر دینے سے چند برسوں یا چند قرنوں کے اندر یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ دوسری طرف ۱۹۳۹ء کی مایوسی اور بھی زیادہ بے محل ہے۔ وہ قوت کی جہت کو غلطی کر رہی ہے۔ اور ایک ایسے کام کو مستقل کے ساتھ جاری رکھنے سے انہیں باز رکھ رہی ہے جس سے پہلو تہی کرنا شیوۂ مردانگی کے خلاف ہے۔ اور جس کے سرانجام دینے کے لئے وہ دوسری جنگ کی مدد سے اب بھی پشت کے لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ ...

مسئلہ کی صحیح نوعیت

وہ مسئلہ کیا ہے جو سنہ ۱۹۳۹ء میں ہمیں پریشان اور بہت بحث کر رہا ہے کیا یہ کیفیت پسند سلطنتوں یا بعض کیفیت پسند سلطنتوں کے ساتھ ہمارے تعلقات کا مسئلہ ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ مسئلہ موجود ہے۔ بلکہ نہایت شدید شکل میں موجود ہے اور اس کے متعلق جو چیز سب سے زیادہ پریشان کن ہے وہ یہ ہے کہ اب ہمارے اور جرمنی کے موجودہ حکمرانوں کے تعلقات میں سیاسی، ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے ایک ایسی حالت تعطل پیدا ہو گئی ہے جس میں کوئی مشترکہ بنیاد خیالات اور کوئی مفاہمت بصورت موجودہ ممکن نہیں ہے۔

لیکن خود یہ حالت تعطل بتا رہی ہے کہ جرمن حکومت کے ساتھ ہمارے تعلقات کا یہ فوری مسئلہ دراصل ایک بہت بڑے اور گہرے مسئلہ کا ایک جزو ہے۔ یہ مسئلہ کیا ہے؟

کیا جرمنی، اٹلی اور جاپان کے ساتھ ہمارے تعلقات کا سیاسی مسئلہ صرف ایک سطحی مظہر ہے؟ کیا ان حکومتوں اور ان کے باشندوں کے ساتھ ہمارے تعلقات کے مسئلہ کی اساس معاشی ہے یعنی امیر اور غریب دول، ایسی دول جن کے حدود کے اندر اشیاء خوردنی اور صنعتوں کے کچے مال کی بہتات ہے اور وہ جنہیں قدرت کی طرف سے ان چیزوں کا کم حصہ ملا ہے۔ ان دونوں کی دوش بدوش موجودگی اور اس سے پیدا ہونے والی ناانصافی، کیا یہ اصل مسئلہ ہے؟ کیا جرمن، اطالوی اور جاپانی باشندوں کو دنیا کے وسائل سے بہرہ مند ہونے کا اتنا ہی موقع ملنا چاہئے جتنا کہ سلطنت برطانیہ، فرانس اور ممالک متحدہ امریکہ کے باشندوں کو حاصل ہے اور کیا جرمنی، اٹلی اور جاپان کی حکومتوں کو اس بات کا اتنا ہی موقع ملنا چاہئے جتنا کہ بڑی بڑی جمہوری سلطنتوں کی حکومتوں کو حاصل ہے کہ وہ بھی اپنی رعایا کے لئے بھی خوشحالی کے وہ سامان مہیا کریں جو ان وسائل قدرت سے حاصل ہوتے ہیں؟ کیا انصاف کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ دنیا کی تمام قوموں کو خواہ وہ بڑی ہوں یا چھوٹی، قوی ہوں یا کمزور، ترقی یافتہ ہوں یا پسماندہ، اس طرح کے یکساں مواقع ملنے چاہئیں؟

اگر ہم بحیثیت مجموعی کے اس دعوی کو تسلیم کر لیں اور پھر کیونکر ممکن ہے کہ اپنے ہموطنوں کی حد تک تو ہمیں اس دعوے کی تردید کا خیال تک پیدا نہ ہو اور دوسری اقوام کے لئے ہم اس سے انکار کریں، تو ساتھ ہی ہمیں مجبوراً اس بات پر بھی غور کرنا پڑے گا کہ وہی حکومتیں جو ایک طرف اپنے قدرتی وسائل کی کمی کی شاکی ہیں، یہی نام نہاد "نادار" سلطنتیں وہی دوسری طرف ان وسائل کو جو انہیں حاصل ہیں یا جو وہ معاشی یا دوسرے طریقوں سے حاصل کر سکتی ہیں، اپنی رعایا کی فلاح و بہبود یا ان کے معیار زندگی بلند کرنے میں یا مستقبل میں ان کی بہبود کے خیال سے ان کی دولت آفرین قوتوں کی ترقی کے لئے خرچ کر رہی ہیں یا جنگی یا فوجی قوت بڑھانے پر صرف کر رہی ہیں۔

ہے کہ وہ تجارتی مندیوں یا کہ بحرانوں کے اثرات سے محفوظ ہو کر بقیہ دنیا کے ساتھ تعلقات رکھنے سے وہ پوری طرح بے نیاز ہو جائیں۔ پس معلوم ہوا کہ اقوام عالم میں وسائل پیدائش کی غیر مساوی تقسیم کا معاشی مسئلہ ایک اور گہرے مسئلہ سے وابستہ ہے۔ جو یہ ہے کہ دولت پیدائش میں حصہ داری کا مطالبہ کرنے والوں کی غرض و غایت کیا ہے؟ اغراض کا یہ تصادم یعنی ایک طرف تو جنگی قوت کے استحکام کی غرض اور دوسری طرف اضافۂ فلاح و بہبود کی نیت، یہ کچھ تو معاملات کو دو چند کر دیتے یا انتقال آزادی پر عائد شدہ پابندیوں کو ہٹا دینے کی کوشش کسی خاص معاشی نوعیت کے حل سے ہرگز رفع نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ نیتوں کا تعلق معاشیات سے نہیں بلکہ اخلاق سے ہوا کرتا ہے۔ اور ایک ایسی معاشی کانفرنس جس کے شرکاء مختلف نیتوں کے ساتھ بحثوں میں حصہ لیں یقیناً ناکام ہو کر رہے گی، اور شروع ہی سے ان شرکاء کے ذہنوں میں نزاع باقی اور برگزیں موجود رہے گی۔ نیتوں کا تصادم دراصل اخلاقی تصورات کا تصادم ہوتا ہے۔ اور جب یہ منظم صورت اختیار کرے تو اخلاقی نظاموں کا تصادم بن جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقی معنوں میں معاشی مسئلہ موجود ہے یا نہیں؟ یعنی وہ مسئلہ جو ایک ہی ریاست کے اندر امیروں اور غریبوں اور طبقۂ امراء اور طبقۂ غرباء کی موجودگی سے پیدا ہوتا ہے۔

اگر دنیا کے سب ملکوں میں نہیں تو اکثر ممالک میں تو یقیناً یہ مسئلہ آج موجود ہے۔ اور اس کا حل یہ نہیں ہے کہ ایک سلطنت کے کچھ علاقے دوسرے کے حوالے کر دئے جائیں۔ اس سے کسی قدر ثابت ہوا کہ ایسا کوئی سبب یا اسباب کام کر رہے ہیں جو سلطنتوں کی جغرافی حدود کے پرے ہیں۔ اور جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے دنیا کے عام معاشی نظام سے ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جو مسئلہ آج ہمیں پریشان کئے ہوئے ہے تین مختلف پیرایوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو سیاسی مسئلہ ہے جس کی شدید ترین علامت وہ تعلقات ہیں جو آج جمہوری سلطنتوں (خصوصاً برطانیہ عظمیٰ اور فرانس) اور کلی سلطنتوں (خصوصاً جرمنی) کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ دوسرے معاشی مسئلہ ہے جس کی شدید ترین علامت بیکاری اور غریبی کا وہ اختلاف ہے جو ہر وقت ہم سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جو خود برطانیہ عظمیٰ جیسے ملک میں بھی پایا جاتا ہے جہاں کہ معیار زندگی عام طور پر بنی نوع انسان کے اوسط معیار زندگی سے کہیں زیادہ بلند ہے اور تیسرے یہ ایک اخلاقی مسئلہ ہے جس کی شدید ترین علامت وہ زوال اور بگاڑ ہے جو آج بین الاقوامی تعلقات میں اور بعض نام نہاد مہذب سلطنتوں کی داخلی حکومت کے معیار صداقت و آزادی اور کاروبار حکمرانی اور شرافت کے معیار میں رونما ہو رہا ہے۔

آئیے اب تینوں مسئلوں پر یکے بعد دیگرے غور کریں۔ اس لئے کہ موجودہ صورت حالات کو سلجھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان مسائل کو اس گتھی سے الگ کر دیا جائے جو ان میں پڑی ہوئی ہیں۔

ان مسائل سے ان کی اہمیت کی ترتیب کے لحاظ سے بحث ہو گی، جو ان کی ترتیب بلحاظ شدت ضرورت کے برعکس ہے۔

اخلاقی مسئلہ بلحاظ اہمیت سب سے مقدم ہے لیکن بلحاظ ضرورت سب سے کم ہے۔ اس لئے کہ وہ تو ہر سیاسی زندگی کا ایک مستقل مسئلہ ہے۔ معاشی مسئلہ باعتبار شدت ضرورت سیاسی مسئلہ سے کم درجے پر ہے اس لئے کہ یہ ایک بیمار مسئلہ ہے جو ہماری زندگی کی بعض غیر معمولی اور عارضی حالات سے پیدا ہوا ہے۔

سیاسی مسئلہ باعتبار ضرورت شدید ترین ہے۔ اس لئے کہ ہماری ...

ہم سب محسوس کرتے ہیں۔ یہ ایک ذہنی سکون ہے جو کسی وقت بھی ہم کو پیش نہیں آسکتا ہے۔

مستقل مسئلہ

قدیم یونان، مصر، ہندوستان، غرض کہ جہاں کہیں بھی انسان نے سیاسیات پر غور کرنا شروع کیا، ہمیشہ سے یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ اخلاقی نصب العین اور سیاسی حقائق کے درمیان ایک مستقل تصادم موجود رہا ہے۔ ہر جگہ ہر زمانے میں یہ بات کہیں دیکھنے میں نہیں آئی کہ سیاسی زندگی انہی خاص اور پاکیزہ اصولوں کی پابند ہو جس قسم کی خانگی زندگی، مثلاً ایک محدود خاندان یا گروہ، دوستوں کی زندگی عام طور پر ہوا کرتی ہے۔

چنانچہ مسئلہ کی نوعیت یہی ہے۔ اور ایسے عہدہ پر ہونے کی صورت دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ خود سیاسی زندگی ہی سے سرے سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے، اور اگرچہ آج کل کے حالات میں معمولی معاشرتی تعلقات سے کنارہ کشی کے مترادف ہوگا۔ اس لئے کہ کوئی شخص یہ نہیں کرسکتا کہ جو اور جیسے وہ حقوق رکھتا ہے ان کے صحیح استعمال کی ذمہ داری سے بچ کر کنارہ کشی کرلے۔ یہ گویا اس مسئلہ کو ٹال دینا ہے۔ اور حقیقت کے مردود کچھ لوگ اس کے حامی رہے ہیں۔ مگر یہ حل ہمیں کبھی ... کا علاج نہیں ہے۔ یہ اختیار کیا جائے تو دوسری صورت صرف یہی ہے کہ اس مسئلہ کا جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ تو اس سے انسان کے قوائے اخلاقی پر کتنی ہی ذمہ داریاں پڑتی ہیں۔ انجیل مقدس کی اس عبارت کا جو قیصر کی ہیں وہ قیصر کو دو، ہم عموماً یہی تفسیر کی جاتی ہے۔

قیصر کا اس کا حق پہنچانے میں ہمارے قوائے اخلاقی پر جو بار پڑتا ہے وہ دو طرح کا ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ جب ہم قیصر کے ساتھ معاملات کرتے ہیں، یعنی الفاظ دیگر جب ہم کسی حیثیت سے بھی کوئی ذاتی سیاسی مقصد لے کر سیاسیات میں حصہ لیتے ہیں تو ہم خود کو ایک ایسی دنیا میں اور جن افراد کے حالات اور مزاج کے بارے میں ہم نے تسلیم کرتے ہیں ان کے ساتھ محض انسانی تعلقات سے الگ تعلق رکھتے ہیں۔ خانگی زندگی کے مقابلہ میں سیاسی زندگی میں معمولی انسانی شرافت، ہمدردی، صبر، مہربانی اور بے لاگ انصاف کو عمل میں لانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ یکسر معمول کرنے والے دور کرنے، قیصر کے مطالبہ ہم سے پورا ہونے آتے ہیں، اس کے متعلق اپنے عمل کو کیسا اور کس طرح ہم عمل میں لائیں۔ بعض اوقات ایسا موقع ہوتا ہے کہ سیاسی زندگی میں اور یہ بات اور بھی مشکل ہو جاتی ہے کہ ہم کچھ واقف ہیں۔

علاوہ بریں یہاں محض خانگی دائرہ کی بجائے قومی دائرہ میں اخلاقی تاثرات متعین کرنے کا سوال نہیں ہے، مثلاً یہ کہ ہم کس طرح کے ... کرنے والے کے متعلق اپنے تاثرات بالکل ویسے ہی جیسے کہ اپنے دوستوں یا اہل خاندان کے متعلق ہوتے ہیں۔ بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ اخلاقی تاثرات سے ایک ایسے مخصوص دائرہ میں کام لیا جائے جو مگر اپنے خاص سیاسیات نہیں، ایک مخصوص مسائل ہیں۔ ... ہے کہ ... ایک ... ہے مطلب ہے کہ سیاسیات کا بحیثیت وجود ... ایک مخصوص اخلاقی پیشہ بنا لیا ہے جس کی رسم ایک اخلاقی معیار ... اور جو ... انسانوں کے معیار اخلاق سے کسی قدر کم ہے۔ ... ایک اخلاقی سیاسی ... ایک غیر قانونی ... ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک ... اور ہے کہ ... قیصر کو اخلاقی صفات سے ... اور جس سے ... اخلاقی زندگی کو سیاسی حالات ...

اور ضروریات کے مطابق نافذ کیا جا سکتا ہے لیکن بدقسمتی سے ایک معمولی شہری کے لئے اور وہ بھی آج کل کے وسیع و پیچیدہ حالات میں اس صورت کو پالینا اور اس کی جو جزئیات خود اس سے متعلق ہیں ان پر پورا عمل کرنا آسان نہیں ہے۔ اس لئے آج کل بہت زیادہ افراد اس کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور "غیر سیاسی ذہنیت" اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح وہ راہب بن جاتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے راہبوں کی ایک بڑی خصوصیت یعنی تاثیر دعا میں ایمان وہ ان میں نہیں ہوتی۔

دوسرا بار جو ہر قسم کی سیاسی زندگی سے انسان کے قوائے اخلاق پر پڑتا ہے وہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ سیاسیات کا تعلق اقتدار سے ہوتا ہے اور اقتدار ایک خطرناک چیز ہے۔ سیاسیات کا تعلق اقتدار سے اس وجہ سے ہے کہ اس کا تعلق حکومت کے ساتھ بھی ہے اور حکومت میں فیصلے کرنا پڑتے ہیں اور ان کو بروئے کار لانے کا انتظام بلکہ حسب ضرورت بزور بھی کرنا پڑتا ہے۔ ہر حکومت جیسا کہ عام محاورہ ہے بر سر اقتدار ہوتی ہے۔ اقتدار گویا سیاسیات کا سکۂ رائج الوقت ہے۔ جو حیثیت معاشیات میں زر کی ہوتی ہے وہی سیاسیات میں اقتدار کی ہوتی ہے۔ بجنسہٖ خود اقتدار نہ اچھا ہے نہ برا۔ وہ ایک غیر معین اور مبہم شے ہے جیسے بجا اور بے جا دونوں طرح استعمال کیا جاسکتا ہے اور یہ بات کہ وہ کس طرح استعمال کیا جارہا ہے استعمال کرنے والوں کی نیتوں اور ان کی قابلیت پر منحصر ہوتی ہے۔ لیکن دولت کی طرح اقتدار کی جانب میں بھی طرح طرح کی ترغیبات اور ناجائز استعمال کے بڑے بڑے مواقع چھپے رہتے ہیں اور ان ترغیبات کی کثرت ہی کی وجہ سے غالباً انسان اپنے تجربے سے اب اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ انسانی فطرت اتنی کمزور ہوتی ہے کہ وہ غیر محدود اقتدار کو سنبھال نہیں سکتی۔ چنانچہ زمانہ قدیم سے سیاسی مفکر اور حکماء اس تلاش میں رہے ہیں کہ اقتدار کے ناجائز استعمال میں مداخلت کے بغیر اس پر پابندیاں کس طرح عائد کی جائیں۔ بالفاظ دیگر قیصر کو دستور کی جکڑ بند میں کیونکر لایا جائے کہ اس کی آزادی رفتار میں فرق بھی نہ آنے پائے!

جب سے دنیا میں منظم سیاسی زندگی کی ابتدا ہوئی ہے یہ دونوں مشکلیں حکمرانوں اور ان کی رعایا کو برابر درپیش رہی ہیں، لیکن آج کل کے حالات نے ان کی شدت میں اور اضافہ کر دیا ہے جس کے دو اسباب ہیں۔

پہلا سبب تو یہ ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں ... کی وجہ سے آج کل سیاسی زندگی کا دائرہ وسیع ہوگیا ہے۔ "قیصر" کے کام کا بہت بڑا حصہ آج کل محض قومی معاملات کی بجائے بین الاقوامی معاملات سے متعلق ہوتا ہے جو دنیا کے ہر حصے کے مختلف نسل کے باشندوں سے اس کی وجہ سے اب پہلے کی بہ نسبت اخلاقی معیار سے کام لینا زیادہ مشکل ہوگیا ہے۔ جس صورت میں کہ پارلیمنٹ کے ایک رکن یا کسی خانگی مجلس کے ممبر اور کسی بے درجے کا مکھوں یا لکھوکھا انسانوں کی روزی کا انحصار ہو مردوروں کے ساتھ منصفانہ سلوک کا جو فرض اس پر عاید ہوتا ہے اس کا یاد رکھنا مشکل ہو تو آپ خود خیال کرسکتے ہیں کہ ہندوستان، انکا کے چائے کے باغات کے قلیوں یا جنوبی افریقہ کی سونے کی کانوں کے افریقی مزدوروں بلکہ ان یورپی باشندوں کے متعلق ہمدردانہ جذبات رکھنا اس کے لئے کس قدر زیادہ مشکل ہوگا جو اگرچہ جغرافی حیثیت سے زیادہ دور نہیں ہیں لیکن ایک معمولی انگریز کے خیالات سے اتنے ہی دور ہیں جتنے کہ ہندوستان یا افریقہ کے مزدور!

دوسری مشکل اس سے کہیں زیادہ گمبیر اور پیچیدہ ہے۔ آج

اس زمانہ کو سیاسیات میں اخلاقی معیاروں سے کام لینے میں جو دقت محسوس ہوتی ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ خود اپنے اخلاقی معیاروں کی طرف سے مذبذب ہیں۔ آج سے پچاس سال بلکہ بیس سال پہلے یہ کہا جاسکتا تھا کہ یورپ کے رنگ اور ہندو پاک کے انگریزی زبان بولنے والے باشندے عیسائی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان حلقوں کی سیاست کے معیاروں پر پوری اترتی تھی بلکہ صرف یہ کہ وہاں بھی معیار کے وجود کو اور کچھ نہیں تو ظاہرداری کے طور پر تسلیم ضرور کیا جاتا تھا۔ خواہ بائیبل مذہب ہی ہی لیکن پھر بھی اس کی عزت کی جاتی تھی اور کھلے بندوں اس کی خلاف ورزی کرنا شرمناک سمجھا جاتا تھا۔

یہ حالت بلاشبہ اس زمانہ کی یادگار تھی جب کہ اخلاق کے یہی معیاروں کی اپنی حد موجود تھی یعنی ابدی سزا کا خوف۔ بادشاہ، شہزادے، امراء اور مذہبی پیشوا سب کے سب اگر اپنی اپنی جگہ پر یہ محسوس کرتے تھے کہ اگر حق اور انصاف کے راستوں سے ان کے قدم ڈگمگائے تو سیاست کے اکھاڑے کے باہر ایک اور جگہ ان کو جواب دہی اور عقوبت کا سامنا کرنا پڑیگا۔ لیکن آج کل بین الاقوامی تعلقات کے بہت بڑے حصے میں یہ "حد" موثر نہیں رہی ہے اور نہ اس کا کوئی بدل اب تک دریافت ہوا ہے۔ آج کل کے شہسواران سیاست جن کے قبضہ میں اقتدار کی عنان ہے سوائے شکست کے اور کسی چیز سے نہیں ڈرتے اور اپنے اثر و نفوذ کی کمی کے علاوہ کسی اور چیز سے ان کو شرم نہیں آتی۔ ابھی کچھ زمانہ پہلے تک سیاسی زندگی پابندیوں اور توازن کا نظام تھی۔ یہ پابندیاں کچھ دستوری تھیں اور کچھ اخلاقی۔ آج ان ملکوں میں جو بین الاقوامی سیاست کے نمونے قائم کر رہے ہیں یہ دونوں پابندیاں بے معنی بنائی جا چکی ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی عمومی زندگی کا توازن بالکل غارت ہوگیا ہے۔

اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ اب جب کہ مغربی ملکوں میں پہلے ہوا کرتا تھا بین الاقوامی تعلقات صرف عیسائی باشندوں تک محدود نہیں رہے ہیں۔ "سلطنتوں کے خاندان" میں اب ہر قوم میں جس کے متعلق یہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ بین الاقوامی قانون کا پابند ہے، آدھی کی سلطنتیں ایسی ہیں جن کے حکمرانوں اور باشندوں کے لئے عیسائی روایت اجنبی ہے۔ دراصل بین الاقوامی قانون پیدا ہوا ہے، اس کے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ... وہ اپنی آنکھوں سے مغرب کے قول اور فعل میں جو فرق ہے اسے دیکھ رہے ہیں۔ ابتری کی اس حالت میں کیا یہ امر تعجب خیز ہے کہ آج بین الاقوامی سیاسیات کا معیار کردار انتہائی بلکہ اس سے بھی گرا ہوا ہے جتنا کہ وہ اٹھارہویں صدی کے اواخر میں تقسیم پولینڈ کے وقت تھا۔ تعجب تو دراصل اس پر ہونا چاہیے کہ بڑے نظاموں کی قوت سے دنیا تکمیل کیسے پائی۔ یہی اور ابتری جو ہم آج دیکھ رہے ہیں وہ اب سے پہلے کیوں پیدا نہیں ہوئی!

کیا اس صورت حالات کا کوئی علاج ہے؟

اس کا جواب اثبات میں بھی ہے اور نفی میں بھی۔

یہ بات تو قطعی ہے کہ اس کا کوئی آسان علاج موجود نہیں ہے۔ ایسی کوئی تدبیر نہیں ہے جس سے اخلاقی نصب العین اور سیاسی حقائق کے درمیان جو کشیدگی ہے اسے ختم کیا جا سکے۔ جیسا کہ میں پہلے کہا جا چکا ہے، یہ کشیدگی ازلی و ابدی ہے۔ فی الحقیقت سیاسیات میں ہم یوں کہنا چاہیے کہ دنیا کی ہر چیز میں موجود ہے۔

تاہم جو مجبوری حالات ہم ان کی کوشش رکھتے ہیں کہ ... علم اور اصول سیاسی کی ...

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

دن کے تین بجے تھے۔ ہوائی حملے کے خطرے کی سیٹی بج رہی تھی۔ ایک کانسٹبل نے دیکھا کہ ایک مسٹر لڑکا سڑک پر تیز تیز جا رہا ہے۔

کانسٹبل ——— کہاں جا رہے ہو؟ معلوم نہیں اس وقت ہوائی حملے کا خطرہ ہے؟

لڑکا ——— معلوم ہے مگر ابا نے کہا ہے کہ میں ذرا اور ذرا کو جگا دوں۔

(ماہنامہ نونہال [illegible])

گاندھی جی سے کسی نے یہ دریافت کیا تھا کہ "ہندوستان سے برطانوی قوت کو ہٹ جانے کا جو آپ مشورہ دے رہے ہیں اس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟" چیانگ کے ذہن میں ایک انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے گاندھی جی "ہریجن" کی تازہ اشاعت میں تحریر کرتے ہیں کہ:

جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے مختلف جماعتوں کی خواہشات یا مطالبے سے قطع نظر برطانوی اقتدار کو یکلخت ختم ہو جانا چاہئے۔ لیکن میں روس کی امداد کی، فوجی ضرورت کو محسوس کرتا ہوں۔ جاپانی حملے کو روکنے کے لئے برطانیہ کو ہندوستان رکھنا ضروری ہے۔ یہ مقصد جماعت اور برطانیہ کے مابین مشترک ہے اور چین کی خاطر بھی اس کی ضرورت ہے۔ لہذا میں برطانیہ کی موجودگی کو حکمرانوں کے معنوں میں نہیں بلکہ آزاد ہندوستان کے دوست کے معنوں میں روا رکھوں گا...

موجودہ حالت ایک قومی حکومت میں تبدیل ہو جائیگی سنتے ہیں کہ اگلے زمانے کے لوگ کہا کرتے تھے۔

خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا، اور حکم کمپنی بہادر کا۔

گاندھی جی کا یہ مضمون پڑھ کر اب یہ نعرہ لگانے کو جی چاہ رہا ہے۔

ملک ہندوستانیوں کا، فوج برطانیہ کی، اور حکم کانگریس بہادر کا۔

مملکت کی معاشی خود کفیلی بھی آخر الامر حکومت اور رعایا ان دونوں کا مشترکہ مطمح نظر ہے۔ اور ایسے وقت جبکہ حکومت اور مستقل طبقات اس مقصد کے حصول کے لئے متحد ہو کر کوشش کرنے کی غرض سے آگاہ ہیں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ رسل و رسائل کی کامل ترین وسعت کے بغیر تجارت کی کوئی عملی یا کافی ترقی نہیں ہو سکتی۔ ہماری مملکت خوش قسمت ہے کہ سڑک، ریل اور طیاروں سے حمل و نقل میں فعال ہے۔ (اعلان بہادر امیر علاؤ الدین)

گر ہیں یاروں اور ہوئے دشمنوں میں

تقال کب ہوگا؟

پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک صحافتی ملاقات میں اس گفتگو کے بارے کا اظہار کرنے سے انکار کیا جو گاندھی جی اور صدر کانگریس سے وارد ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بتانا ان کے لئے روا نہیں کہ موجودہ حالات میں کانگریس کیا کرے گی۔ فیصلہ کرنا مجلس عاملہ کا اور ایسے فیصلوں کا اظہار صدر کانگریس کا کام ہے۔

(ایسوسی ایٹیڈ پریس)

ایسوسی ایٹیڈ پریس کے نامہ نگار کو کم از کم یہ دریافت کر لینا چاہئے تھا کہ آج کل کانگریس کے صدر کون ہیں؟ مولانا آزاد، مہاتما گاندھی یا خود پنڈت نہرو؟

یہ امر بھی تعجب خیز ہے کہ آریہ سماج جو ملک کی منظم اور بااثر جماعت ہے اس کا کوئی نمائندہ اس کونسل (ڈیفنس کونسل) میں شریک نہیں ہے۔ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کیوں حکومت نے آریہ سماجیوں کو اپنے مشیروں میں بیٹھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

(مسٹر و [illegible] پنڈت)

پہلے معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ پنڈت [illegible] صدر آریہ سماج ڈیفنس کونسل میں شریک ہونا کیوں نہیں چاہتے تھے۔ کیا پنڈت [illegible] اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں؟

ایک رکشہ والا رات کو سواری کر کے گھر لے کے سامنے سائیکل رکشہ رکھ کر سو رہا تھا جب اس کی آنکھ کھلی رکشہ غائب تھا۔

(ایک خبر)

عمل تاریکی کا دوسرا نتیجہ

"خود زبان کا واسطہ تعلیمی ترقی کے راستہ میں ایک سخت رکاوٹ ہے۔ اسی اصول کے ماتحت ہماری ریاست ایک مدت میں یک لخت زبان ——— اردو کو واسطہ تعلیم قرار دیا گیا مگر اس زریں اصول کا استفادہ صرف ان طبقات رعایا کو ہو رہا ہے جن کی مادری زبان اردو ہے۔ باقی لوگوں کو جن کی مادری زبان مرہٹی کی کوئی اور زبان ——— تلنگی، مرہٹی یا کنڑی ——— ہے ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک غیر زبان کے واسطے سے تعلیم پانے کی مجبوری ہو رہی ہے اگر منزل وسطانی میں بھی طلباء کو ان کی مادری زبان کو واسطہ تعلیم قرار دینے کی اجازت حکومت مرکز کی عطا فرمائے تو تعلیمی ترقی کی رفتار تیز تر ہو جائے گی۔" (مسٹر [illegible])

کس قدر معصوم مطالبہ ہے؟ گر حکومت کو خواہ مخواہ بدگمانی ہوگی کہ اگر مقامی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا تو پھر...

ہر کیل چاپ بڑھے گا۔ مشترکہ تہذیب متروک ہو جائے گی۔ اور اس طرح رعایا کا ایک مشترکہ محاذ قائم ہو جائیگا اور حکومت نہیں چاہتی کہ رعایا میں کسی طرح اتحاد پیدا ہو۔ اس لئے پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کے اصول پر اس نے اردو جیسی غیر زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیکر ایک انتشار عظیم برپا کر رکھا ہے۔

ہوائی حملے کے نام پر چھوڑے ہوئے مرغی اور بطخ وغیرہ پالے جانے والے جانور جو تمام طور پر سڑکوں اور میدانوں میں پھرتے رہتے ہیں یا گھبرا کر وہ جانور جن کو باندھا جاتا ہو یا ایسے جانور جو راستے سے گذرتے ہوں۔ یہ تمام ہوائی حملے کے وقت انسان کے لئے باعث تکلیف ہو سکتے ہیں (ایک اعلان)

ہماری رائے میں محکمہ اے۔ آر۔ پی کے لئے انسداد آوارگی جانوران کا ایک محکمہ قائم کرنا اور اس کے لئے ایک نئے انسپکٹر مقرر کرنا اشد ضروری ہے۔

پریسیڈنٹ روزولٹ نے اس عہد کی دوبارہ توثیق کی کہ متحدہ اقوام کے پرچم کا [illegible] ہمارے اتحاد کی علامت ہے جو ہمارے دشمنوں کی شکست اور انسانی آزادی کے حصول کی بنیاد پر قائم کئے جانے والے حقیقی امن و امان کی غرض سے عمل میں آیا ہے۔ بنی نوع انسان کی چار آزادیوں ——— تقریر کی آزادی، مذہب کی آزادی، احتیاج اور خوف سے آزادی ——— میں اقوام متحدہ کا ایقان جو آمریت کو ختم کر دیگا اور نوع انسان کی رہنمائی روشنی کی طرف کرے گا۔ (رائٹر)

بنی نوع انسان کو آزادی حاصل ہو یا نہ ہو ہندوستان صرف ایک آزادی چاہتا ہے ——— یعنی [illegible] آزادی

اشتہار

حاضری مدعا علیہم - محکمہ عدالت [illegible]
منصفی تعلقہ سیڑم ضلع گلبرگہ شریف
مورخہ ۱۵ [illegible]

نمبر مقدمہ [illegible]

مدعی
پنڈت گنگا تہہ راؤ وکیل

بسپا ولد شرنپا [illegible] قوم لنگایت عمر ۲۵ سال پیشہ زراعت ساکن موضع [illegible] تعلقہ سیڑم

بنام

راشیو راؤ ولد ونکٹ راؤ قوم برہمن عمر ۴۰ سال پیشہ زراعت ساکن موضع اوری گی تعلقہ سیڑم

تنگیر راؤ ولد ونکٹ راؤ قوم برہمن عمر ۴۰ سال پیشہ زراعت ساکن موضع اوری گی تعلقہ سیڑم

دعوے [illegible]

بنام راشیو راؤ ولد ونکٹ راؤ قوم برہمن عمر ۴۰ سال پیشہ زراعت ساکن موضع اوری گی تعلقہ سیڑم، بنام تنگیر راؤ ولد ونکٹ راؤ قوم برہمن عمر ۴۰ سال پیشہ زراعت ساکن موضع اوری گی تعلقہ سیڑم

[illegible]

پہلے اتحاد یا آزادی

بقیہ صفحہ (۱)

اختلاف ہے۔ مسٹر نہرو ہندوستان کی وحدت چاہتے ہیں لیکن اگر صوبہ جات علیحدہ ہونا چاہیں تو وہ مخالفت کرنا نہیں چاہتے۔ مسٹر راجگوپال اچاری علیحدگی کے حق کو اسی وقت تسلیم کر لینا چاہتے ہیں تاکہ اشتعال اور شبہات پیدا نہ ہو سکیں اور اس کے بعد وحدت اور یکجہتی کے لئے اپیل کریں گے اور فرقہ واریت کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔ مسٹر نہرو کا بھی یہی خیال ہے کہ ان دونوں میں مناقشت نہیں ہے۔ گاندھی جی کی رائے میں ہندوستان ایک خاندان مشترکہ ہے اور خاندان مشترکہ کے ارکان کو علیحدہ ہونے اور تقسیم کرنے کا حق ہے جس کا مقابلہ قوت سے نہیں بلکہ اخلاقی ترغیب سے کیا جا سکتا ہے۔ کانگریس کی یادداشت میں صوبہ جات کی علیحدگی کے حق کو جائز ثابت کرنے کے لئے گاندھی جی کے بین حوالے پیش کئے گئے ہیں۔ جن کی اب تک تردید نہیں کی گئی۔ ایک وقت کہا گیا کہ ہندوستان ایک قابل تقسیم خاندان مشترکہ ہے۔ ایک دوسرے موقع پر کہا گیا کہ علیحدگی برائی ہے۔ مسٹر راجگوپال اچاری نے اپنی ترکیب صورت حال میں داخلی اتحاد پیدا کرنے کا ایک طریقہ پیش کیا ہے۔ میرے خیال میں اگر دوسرے طریقے پیش کئے جائیں تو انہیں اعتراض نہ ہوگا۔ اگر ہندوستان گاندھی جی کا خاندان مشترکہ کی تشبیہ کے باوجود ناقابل تقسیم ہے تو ہندو مسلم سوال کا حل ایک وفاقی ڈھیلی ریاست بن سکتی ہے۔ لیکن جس طرح ایک عضو کی بیماری سارے جسم کو متاثر کرتی ہے۔ کیا ہم انتظار کرتے رہیں کہ اس کا حل کسی طرح جالیسے سے پیدا ہو جائے۔ ہندوستان کی عضوی وحدت اور اس کے ناقابل تقسیم ہونے کا نظریہ ذمہ داری کو منتقل ہونے سے روکتا ہے۔ میں مسٹر راجگوپال اچاری کی تجاویز کے محاسن پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ اس میں شک نہیں کہ ان تجاویز [illegible] بحث کی جائے اور ان حصوں میں گفت و شنید ہونی چاہئے جہاں مسٹر راجگوپال اچاری تقرر کرتے ہیں اور ان کے خلاف آزادی کی دوڑ [illegible] جانی چاہئے اگر کوئی سیاسی جماعت کسی شخص کو اس امر کی اجازت نہ دے کہ وہ اس جماعت کے نیابت ہونے کے لئے پروپیگنڈا کر سکتا ہے تو اس کو جمہوریت کس طرح کہہ سکتے ہیں؟

میں سمجھ سکتا ہوں کہ ہندو مہاسبھا یا [illegible] جماعت یا غیر کانگریسی افراد مسٹر راجگوپال اچاری کی کیوں مخالفت کرتے ہیں۔ ان کی مخالفت کے اسباب اصل صاف ہیں لیکن کانگریس کی مخالفت میری سمجھ سے باہر ہے مجھے یقین ہے کہ اگر کانگریس مسلمانوں پاکستان کے اصول کو غیر مشروط طور پر قبول کر لیتی جیسا کہ اس نے بالواسطہ طور پر قبول کیا ہے تو تمام مسائل حل ہو جاتے۔ مسٹر راجگوپال اچاری کا [illegible] ان [illegible] باہمی افہام و تفہیم کی دستوری [illegible] ہے کہ ہندوستانی آزادی کی امید حاصل نہیں۔

اگر مجھے کانگریس سے [illegible] ہے تو [illegible] کانگریسی کی حیثیت سے میں ہندوستانی [illegible] ایک [illegible] اس [illegible]

بقیہ صفحہ (۱۰)

"ہم ہندوستان سے ہٹنے والے نہیں ہیں"

سر اسٹیفورڈ کرپس کا بیان

لندن ۱۷ جون۔ ہندو کا خصوصی نامہ نگار رقمطراز ہے کہ سر اسٹیفورڈ کرپس نے خصوصی ملاقات میں گاندھی جی کے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے ہٹ جانے سے متعلق متواتر مطالبوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ:۔

ہم جنگ کی وسط میں ہندوستان کو چھوڑ کر نہیں ہٹ جائیں گے اگرچہ ہم [illegible] وجوہ کی بنا پر وہاں رہنے کے متمنی نہیں ہیں۔ فوجی ریورٹ کے لحاظ سے ہندوستان نہ صرف ہمارے لئے بلکہ ہمارے حلیفوں کی محوری دول کے خلاف کوششوں کے لئے اہم ہے بلکہ اس قسم کا کوئی قدم اٹھایا جائے جس میں چین اور ممالک متحدہ اور خود ہندوستان کے لئے تو اس کے کہنے کی شاید ہی ضرورت ہے۔ مضرت رساں ثابت ہوگا۔

قومی حکومت اور اکثریت کا فیصلہ

سر کرپس نے مسٹر نہرو کے صحافتی بیان کو احتیاط سے پڑھنے کے بعد کہا کہ ہم نے درحقیقت ہندو یا کسی تعداد کے متعلق کبھی بحث ہی نہیں کی۔ مسٹر نہرو اور مولانا آزاد نے مجھ سے کبھی نہیں کہا کہ ان کے ذہنوں میں کیا بات ہے۔ میں کانگریسی زعماء کی نقطۂ نظر کا اسی طرح تصور کر سکتا ہوں جو قومی حکومت یا کابینہ کے متعلق ان کی بعض تجویزیں یا خیالات تھے۔ میں اس خیال کے مدنظر تمام قسم کے خیالات کو دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ایک حکومت کی تشکیل کے لئے ان مشکلات کے لئے راستہ نکالا جائے۔ قدرتاً ہم نے اپنے الفاظ میں سیاسی اصطلاحیں استعمال کیں۔ میں نے یقیناً قومی حکومت یا کابینہ کے الفاظ استعمال کئے لیکن مقصد محض خصوصی مسائل کے متعلق اپنے خیالات کو تمثیلاً پیش کرنا تھا ان کے متعلق اپنے کانگریسی دوستوں سے بحث و مباحثہ کر رہا تھا۔ مجھے امید ہے کہ میں نے اپنی گفتگو کے دوران میں دستور کا مرتبہ غیر متبدل رہے گا میں نے قطعاً طور پر جس چیز کی درخواست کی وہ مجوزہ دستاویز کو مجلس تنفیذی وائسرائے میں شرکت کے لئے اس اساس قبول کرے اور اس کے بعد وائسرائے سے ان کے ذرائع اور وسائل کے متعلق گفتگو کریں جو مجلس تنفیذی سے زیادہ ایک کابینہ کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے۔ میں نے پہلے ہی سے مسٹر جواہر لال نہرو پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ میں کابینہ کو تشکیل نہیں دے سکتا اور اس کا بھی انتظام نہیں کر سکتا کہ وہ کس طرح اپنے فرائض انجام دینا چاہئے یہ کام بحیثیت صدر حکومت ہند وائسرائے کا ہے۔ بہرحال میں اس کے لئے تیار تھا کہ تمام جماعتوں کی اعانت کروں گا اگر میرے مشورے پر جانبین کی خواہش کی جائے اور اس غرض سے میں اس وقت تک امداد کرنے کے لئے تیار تھا جب تک کہ بیت کا نظام [illegible] نہ ہو جائے۔

میں ہندوستان کیوں گیا تھا

میں ہندوستانی زعماء کا [illegible] کے متعلق ہندوستانی زعماء سے بحث و مباحثہ کرنے گیا تھا [illegible] میں ان [illegible] اپنے [illegible] کے ہندوستان کے بہترین [illegible] خاندان سے [illegible] کابینہ [illegible] تھا کہ میں ہندوستانی زعماء سے کوئی [illegible] کی کوشش نہیں

کی جانی چاہئے بلکہ میں ان تمام چیزوں کو پیش کر دینا چاہئے جو ہم ان کو نہیں دے سکتے ہیں اور مجھے یہی کیا۔ بہرحال میں نے کانگریسی زعماء سے کہا کہ اگر وہ کوئی متبادل تجاویز پیش کر سکتے ہیں جن سے دوسری جماعتوں کے ساتھ راضی نامہ کی تکمیل کا امکان پیدا ہو سکے تو میں ان کو کابینہ کے سامنے پیش کروں گا اور ہر قسم کی کوشش کروں گا کہ وہ انہیں قبول کیا جائے لیکن مجھے کوئی ایسی پیش کردہ متبادل تجویز یاد نہیں [illegible] کوئی مشترکہ جماعت نظر آتی ہے جس نے کانگریس اور دوسری پارٹیوں سے [illegible] پر غور کیا ہو۔

سر اسٹیفورڈ کرپس نے پاکستان کا حوالہ دیا اور وہ اس خیال کے جانب مائل معلوم ہوتے تھے کہ پاکستان کو کبھی عملی جامہ نہیں پہنایا جائے گا کیونکہ جب ایک مرتبہ تو مجلس منتخبہ عوام کی جانب سے تجویز مجلس منتخبہ میں جدید دستور کی تشکیل پر بحث و مباحثہ کے لئے بیٹھیں گی تو اقتصادی اور سماجی متحدہ بننے کے مفادات عام طور پر اس کو محسوس کریں گے اور ان کے خیال میں کانگریس اس کے لئے آمادہ رہے گی کہ مسلمانوں کے مطالبہ کو صوبہ وار خود مختاری کے امور میں بڑی حد تک آگے بڑھے۔

دفاعی مسئلہ

سر اسٹافورڈ کرپس سے جو دوسرا سوال کیا گیا وہ ایک ہندوستانی دفاعی وزیر کے تقرر کے متعلق تھا۔ انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ "یہ سوال میں آپ سے کہوں گا اس میں بہت سی اصلی اور عسکری مشکلات پیش آئیں جب میں ہندوستان کے لئے روانہ ہوا تو اس وقت جاپانیوں کے حملہ کا خطرہ اس ملک کے لئے ناگزیر ہو چکا تھا۔ مجھے اس کی پوری پوری توقع تھی کہ میرے قیام ہند کے دوران میں جاپانی شمالی جانب پر ہندوستان میں اپنی فوجیں اتار دیں گے۔ جنرل ویول جو کسی طرح دہشت زدہ ہونے والے نہیں ہیں اپنی پوری پوری قوت جاپانی فوج کے اچانک دھاوے کے خلاف ہندوستان کی دفاعوں کی تکمیل پر صرف کر رہے تھے جب کہ ہم دہلی میں مسودہ دستاویز کا تجزیہ اور اس پر بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔ وہ یقیناً غیر موزوں احول تھا جس میں جدید وزیر کو تمام دفاعی فرائض منتقل کئے جاتے۔ بہرحال میں نے پوری پوری طرح اس کی قدر کی اور کانگریس کی محبت وطن کی قوت کو محسوس کیا کہ وہ ملک میں نہیں جا سکتے اور عامۃ الناس کو ضروری سیاسی قوت و اعتبار کے میزان میں [illegible] جوش پیدا نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس تجویز سے فوراً اتفاق کیا کہ سپہ سالار اعظم اپنے ان فرائض کو جنگی حملات پر کسی قسم کا مضر اثر ڈالے بغیر ان کے تفویض کر سکتے ہیں انہیں ہندوستانی وزیر کو منتقل کیا جائے جس کے سپرد قلمدان وزارت دفاع اتحادی کیا جائے۔ جب میرے سامنے یہ بات پیش کی گئی کہ عامۃ الناس پر نفسیاتی طور پر اثر ڈالنے کے لئے دفاعی قلمدان وزارت کسی ہندوستانی رکن کو منتقل کیا جائے تو اس تجویز پر نظرثانی کی گئی تاکہ وزارت کے قلمدان کو ایک ہندوستانی رکن کے ہاتھ میں دیا جائے جب کہ سپہ سالار اعظم جدید محکمہ وزارت جنگ پر مامور رہیں گے اور ان فرائض کو اپنے ذمہ رکھیں گے جو جنگ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھنے کے لئے ہم ضروری خیال کرتے ہیں مجھے اس کا اطمینان اخبارات اور دوسرے ذرائع سے ہوا کہ مجلس عاملہ کانگریس اس تجویز کو قبول کر لے گی۔

بقیہ صفحہ (۱۰)

ہندو استھانوں کے متعلق حکومت حیدرآباد کی پالیسی

پرکاش ہفتہ وار دہلی کا تبصرہ

ہندوستان کی اکثر ریاستیں اپنی حکومت کے اندر مختلف طریقوں سے مذہبی اداروں کی امداد کرتی رہتی ہیں۔ حکومت حیدرآباد کا طریقہ اس سلسلہ میں جو کچھ ہے وہ شاید کسی ریاست کا بھی نہ ہوگا چنانچہ حکومت سرکار عالی کی جانب سے متعدد ہندو اور مسلم مذہبی اداروں کو بڑی بڑی مالی امدادیں ملتی ہیں اور جاگیریں منظور ہیں۔ بہت سے لوگ اس بارے میں ناواقف ہیں کہ وہ اکثر بہت ہی غلط باتیں کہہ دیتے ہیں بعض ہندو لیڈروں کی زبان سے بھی ہم اکثر اسی قسم کے الزامات سنتے ہیں کہ حکومت حیدرآباد صرف اسلامی اداروں کی مدد کرتی ہے اور ہندو استھانوں کے لئے کچھ نہیں کرتی۔ اکثر ہندو اخبارات بھی یہی لکھتے رہتے ہیں کہ حکومت حیدرآباد اس معاملہ میں تعصب اور طرفداری سے کام لیتی ہے مگر حقیقت جو کچھ ہے وہ ان بیانوں سے بالکل مختلف ہے ہم نے بڑی کوشش سے ذیل کے اعداد و شمار حاصل کئے ہیں۔ جس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سرکار عالی کی جانب سے مختلف مذہبی اداروں کو جو سالانہ جاگیریں اور امداد حاصل ہیں ان میں ہندو دھرم کے استھانوں کی تعداد اور رقم مقابلتاً مسلمانوں کی مساجد اور درگاہوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔ یہ اعداد و شمار حسب ذیل ہیں۔

نشان نمبر	نام	مقام	مقدار معاش یا آمدنی
۱	درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز	گلبرگہ شریف	ساٹھ ہزار
۲	درگاہ حضرت قبول اللہ حسینی (روضہ خورد)	۔۔	چالیس ہزار
۳	درگاہ حضرت شیخ سراج الدین جنیدی (روضہ شیخ)	۔۔	سولہ ہزار [illegible]
۴	درگاہ حضرت ابوالفیض رح	بیدر	تیرہ ہزار پانچ سو [illegible]
۵	خانقاہ محبوب سبحانی رح	۔	دو ہزار چار سو اٹھاسی
۶	درگاہ حضرت حاجی سیاح واقع قندھار	ناندیڑ	نو ہزار [illegible] اکاون [illegible]
۷	درگاہ حضرت بابا شاہ مسافر (پن چکی)	اورنگ آباد	[illegible] ہزار دو سو اکاون
۸	درگاہ حضرت سید شاہ علی تبریزی رح	اورنگ آباد	اٹھارہ ہزار آٹھ سو چھپن
۹	درگاہ حضرت شاہ نور حموی	اورنگ آباد	دو ہزار دو سو
۱۰	درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء رح	۔۔	ایک ہزار سات سو [illegible]
۱۱	درگاہ حضرت خواجہ برہان الدین رح و خواجہ منتخب الدین زرزری زر بخش رح واقع خلد آباد	۔۔	بارہ ہزار سات سو نو
۱۲	درگاہ حضرت شاہ زین الدین رح و سید محمد حسینی رح وغیرہ خلد آباد		پانچ ہزار نو سو تیس
۱۳	درگاہ حضرت جان اللہ شاہ رح جالنہ	اورنگ آباد	چونسٹھ ہزار چار سو چہتر
۱۴	درگاہ حضرت معشوق ربانی رح	ورنگل	چھتیس ہزار

مسجدیں

نشان نمبر	نام	مقام	مقدار معاش یا آمدنی
۱۵	مسجد قلعہ	گلبرگہ شریف	پانچ سو
۱۶	جامع مسجد	رائچور	پانچ سو
۱۷	جامع مسجد	اورنگ آباد	سات سو [illegible]
۱۸	مسجد شاہ گنج	۔	ایک ہزار تیس

مندر

نشان نمبر	نام	مقام	مقدار معاش یا آمدنی
۱۹	دیول سری ایکیا ناتھ جی	۔۔	تین ہزار پانچ سو [illegible]
۲۰	دیول سیتا رام باغ	بلدہ	پچاس ہزار
۲۱	دیول جام سنگھ	۔۔	آٹھ ہزار چار سو آٹھ
۲۲	مٹھ کچھی داس	۔	بارہ ہزار تین سو چھیاسی
۲۳	دیول کرشن باغ	۔	سولہ ہزار چار سو بیس
۲۴	دیول رام باغ	۔	پندرہ ہزار
۲۵	دیول [illegible] واقع [illegible]	علی آباد	ساٹھ ہزار
۲۶	دیول [illegible] واقع متصل قلعہ [illegible]	ورنگل	تیس ہزار دو سو پچاس
۲۷	دیول [illegible] سوامی واقع [illegible]	کریم نگر	چار ہزار
۲۸	دیول [illegible]	عثمان آباد	اٹھارہ ہزار
۲۹	گردوارہ گرو گوبند	ناندیڑ	تیس ہزار بارہ
۳۰	مٹھ [illegible]	بلدہ	پانچ ہزار
۳۱	مٹھ [illegible] شاہ عنایت گنج	۔	ایک ہزار چار سو [illegible]
۳۲	استھان سری رام چندر [illegible] جاگیر تعلقہ امبڑ	اورنگ آباد	چار ہزار چار سو آٹھ
۳۳	مٹھ [illegible]	۔	نو سو چالیس
۳۴	استھان سری [illegible] تعلقہ گنگا پور	۔	چار ہزار چار سو چالیس
۳۵	دیول [illegible]	۔	نو سو سات
۳۶	دیول [illegible]	بلدہ	ایک ہزار نو سو
۳۷	استھان [illegible]	اورنگ آباد	[illegible]
۳۸	استھان سری [illegible] جالنہ	اورنگ آباد	تین ہزار نو سو چہتر
۳۹	استھان سری [illegible]	۔	ایک ہزار چھ سو ستائیس
۴۰	دیول [illegible]	۔	ایک ہزار ایک سو ستائیس
۴۱	دیول [illegible] تعلقہ امبڑ	۔	چار ہزار دو سو چہتر
۴۲	استھان [illegible]	اورنگ آباد	ایک ہزار [illegible]
۴۳	دیول [illegible] صاحب بازار امبڑ	اورنگ آباد	ایک ہزار تین سو [illegible]
۴۴	استھان سری [illegible]	۔	پانچ ہزار پچاسی
۴۵	دیول [illegible]	۔	سات سو بیس
۴۶	دیول [illegible] تعلقہ [illegible]	نظام آباد	[illegible]
۴۷	دیول [illegible] تعلقہ [illegible]	۔	چھ سو [illegible]
۴۸	دیول [illegible] جاگیر تعلقہ [illegible]	۔	[illegible]
۴۹	دیول رام سوامی تعلقہ [illegible]	نظام آباد	سات ہزار دو سو [illegible]
۵۰	دیول [illegible]	۔	دو ہزار تین سو [illegible]
۵۱	دیول [illegible] تعلقہ [illegible]	[illegible]	بیس ہزار

حیدرآباد میں زچہ اور بچہ کی فلاح کا انتظام

شرح اموات میں نمایاں کمی

گزشتہ صدی کے اواخر میں جب خواتین کو بھی ہندوستان کے مختلف دواخانوں میں طبی خدمات پر مامور کیا گیا تو انہیں بارہا زچگی کے سلسلہ میں سانحات سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ سانحات علی العموم زچگی کے بعد زچہ کی معقول نگہداشت کی عدم موجودگی، کم تربیت یافتہ دائیوں کی جہالت اور بچوں کی معقول پرورش کے طریقوں سے ماؤں کی لاعلمی کے باعث واقع ہوتے تھے۔ چنانچہ طب پیشہ مرد اور خواتین ہندوستانی انجمن صلیب احمر اور بعض خانگی افراد نے جو پبلک خدمات انجام دے سکتے تھے اجتماعی طور پر زچاؤں اور بچوں کی اموات کی زبردست شرح کم کرنے کے لئے متحدہ کوشش شروع کردیں۔ اسی باعث ہندوستان میں بہبودی اطفال و فلاح زچہ کی تحریک عام ہوئی۔

صحت عامہ کے یہ کام تقریباً ہر جگہ ہندوستانی صوبوں اور ریاستوں میں مقبول ہوتے جارہے ہیں اور شاید اسی کا راست نتیجہ ہے کہ سنہ ۱۹۱۵ء سے بچوں کی شرح اموات میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ حکومت ہند کے ناظم صحت عامہ نے سنہ ۱۹۴۲ء کی جو رپورٹ پیش کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ ایک ہزار زچگیوں میں (جبکہ بچہ صحیح سلامت تولد ہوا ہو) ماؤں کی اموات کا تناسب ۲۰ء۵ اور بچوں کی اموات کا تناسب ۱۵۱ رہا ہے۔

حیدرآبادی کوششیں

ریاست حیدرآباد میں زچگیوں کے بہتر انتظام اور بہبودی اطفال کی خدمات کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے تقریباً دس سال پہلے محلہ سلطان بازار میں ایک مرکز بہبودی اطفال قائم کیا گیا تھا۔ علاوہ زنانہ ڈسپنسری کے اشتراک کی تاریخ تک اس مرکز کا انتظام اور اس کے مخارجات کی پابجائی ہندوستانی انجمن صلیب احمر کی شاخ سکندرآباد کے ذمہ تھی۔ سنہ ۱۳۴۰ف میں مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر آنجہانی کی دلچسپی کے باعث محلہ دارالشفا میں ایک مرکز وجود پذیر ہوا اور راجہ سر بنسی لال و موتی لال کے فیاضانہ عطیہ سے محلہ بیگم بازار میں بھی سنہ ۱۳۴۴ف میں سرکاری طور پر عمل میں آیا۔ محلہ بڑگل کنٹہ میں ڈاکٹر [illegible] کی توجہ سے جو بلدی مرکز قائم ہوا تھا سنہ ۱۳۴۷ف میں بلدیہ حیدرآباد مرکز بہبودی اطفال و فلاح زچہ میں تبدیل کردیا گیا۔ پرانے پل کے قریب لیڈی حیدری میموریل مرکز کی تعمیر ہوجانے کے بعد شہر حیدرآباد میں بہبودی اطفال و فلاح زچہ کے کل ۵ مراکز ہوجائیں گے۔

ہر ایک مرکز میں ایک معاینہ کنندہ ڈاکٹر، ایک تربیت یافتہ دائی، ایک مددگار، ایک آیا اور ایک چپراسی متعین ہیں۔ سلطان بازار کے مرکز میں جہاں (۱۲) بچوں کی گنجائش رکھنے والی ایک زچگی وارڈ بھی موجود ہے ایک [illegible]۔ سنہ ۱۳۵۰ف سے ان مرکزوں کو محکمہ طبابت و صحت عامہ کے تفویض [illegible] شاخوں کے مخارجات کا بار [illegible] برداشت کرتا تھا لیکن سنہ [illegible] میں سارے انتظامی اختیارات بھی بلدیہ کے تفویض ہوگئے۔ ان مرکزوں کے سالانہ اخراجات (۲۱۹۴۳) روپے ہیں۔

شرح اموات میں کمی

ان کاموں کا راست نتیجہ زچاؤں اور بچوں کی شرح اموات میں نمایاں کمی کی شکل میں رونما ہوا۔ چنانچہ شہر حیدرآباد میں ان مرکزوں کی نگرانی کی بدولت سنہ ۱۳۵۳ف میں فی ہزار زچگیاں ماؤں کی تعداد اموات ۱۰ء۴ اور بچوں کی تعداد اموات ۹۰ رہی۔ سنہ ۱۳۵۳ف میں سلطان بازار، دارالشفا اور بیگم بازار کے مرکزوں میں زچگی سے قبل ۲۰۰۱ حاملہ عورتوں کا علاج کیا گیا۔ اور مختلف مقامات کے لیڈی ہیلتھ وزیٹرز کے زیر نگرانی (۱۳۰۰) زچگیاں کرائی گئیں۔ ان عہدہ داروں نے حاملہ عورتوں کے گھروں پر (۱۹۴۴۳) مرتبہ معاینہ کیا۔ تاریخ پیدائش سے پانچ سال کی عمر تک بچوں کی صحت اور تندرستی پر نگرانی قائم رکھی۔ ان فرائض کے علاوہ انہوں نے سالانہ پندرہ دائیوں کو زچگی کے جدید طریقوں کی تربیت دی۔ ہر سال دائیوں کا نصاب بدلا جاتا ہے جس کی تکمیل کے بعد امتحان لیا جاتا ہے۔ یہ دائیاں خانگی طور پر بہت سی زچگیاں کراتی ہیں ان سے ہیلتھ وزیٹرز کو بھی واقف رکھتی ہیں اور اگر کوئی دشواری لاحق ہو تو ان سے مشورہ کرتی ہیں۔

حاجتمند عورتوں اور بچوں کو دودھ، مچھلی کا تیل، کیلسیم، فولاد، گوشت کا شوربہ، ماڑی اور دوسری غذائیں روزانہ تقسیم کی جاتی ہیں۔ بیگمات بہبودی کا جذبہ رکھنے والی بااثر خواتین کی ایک مجلس مشاورتی بنائی گئی ہے جہاں مرکزوں کی سرگرمیوں کی رہبری کیلئے مجلس مشاورت کام کرتی ہے۔

انتظام میں مرکزیت

سنہ ۱۳۵۳ف کے عملہ کے علاوہ حکومت سرکار عالی نے اور دی شفقت میں بہبودی اطفال و فلاح زچہ کے لئے ایک خاتون میڈیکل آفیسر کی جائداد قائم کی ہے۔ اس جائداد پر ڈاکٹر مسز مقبول علی کا تقرر ہوا ہے۔ اس کے اخراجات کا بار محکمہ طبابت و صحت عامہ برداشت کریگا۔ اس خاتون کا فرض منصبی ہوگا کہ اس سلسلہ کی جملہ کوششوں میں باہمی ربط و اتحاد پیدا کرے، ان کے تعاون میں سرعت رفتار پیدا کرے۔ قانونی تقاضات کو زیر غور رکھ کر صحت عامہ پیدا کرنے کے ذرائع کا پتہ چلائے۔ حاملات، شادی شدہ عورتوں اور مقامی غیر تربیت یافتہ دائیوں کو اس فن میں تعلیم و تربیت دے۔ بچوں اور زچاؤں کی اموات کے اسباب کی تحقیق و تفتیش کرے اور لاعلمی و جہالت کے باعث حاملہ عورتیں اور نوعمر بچے جن بیماریوں اور مصیبتوں کا شکار ہوجاتے ہیں ان کے دفعیہ کی مناسب تجاویز پیش کرے۔

خاتون میڈیکل آفیسر کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ طبی مشورہ لینے والوں کے ہمراہ ان گھروں کا دورہ کرے جہاں سے کہ ان کی مدد کے لئے درخواست آئی ہو۔ قبل ولادت اور بعد ولادت طبی علاج کے لئے مرکزوں میں جو شفاخانے موجود ہیں ان کا انتظام بھی اسی کے تفویض ہے۔ روزانہ وہ ان مرکزوں کا معاینہ کرتی اور ماؤں اور بچوں کی صحت کے بارے میں مشورہ دیتی ہے اور اگر ضرورت ہو تو علاج کے لئے موزوں سرکاری ہسپتالوں اور دواخانوں میں رجوع ہونے کی ہدایت کرتی ہے۔ مرکزوں میں ماؤں کو حفظان صحت کا سبق سکھایا جاتا ہے اور یہ امر ان کے ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ ان مرکزوں میں بیماریوں کو لاحق ہونے سے قبل ہی روکنے کی تدابیر سکھائی جاسکتی ہیں۔ لیکن ان کا علاج یہاں نہیں ہوگا۔

پبلک کارکنوں کے مشاغل

۱۵ امرداد ۲۰ سرجون کونسل دو یوم آریہ پرتی ندہی سبھا کا اجلاس زیر صدارت پنڈت ونائک راؤ منعقد ہوا جس میں فسادات اور شاہ جہانی کے متعلق ایک قرارداد منظور کی گئی۔

سوامی راما نند تیرتھ نے اپیل کی ہے کہ مجلس انتظامی کھادی پرچار سنگھ کی جانب سے حال ہی میں اپیل کی گئی تھی کہ ایک لاکھ روپیہ کھادی فنڈ میں جمع کیا جائے۔ کھادی تعمیری پروگرام کا ایک جزو ہے اس لئے عوام کو زیادہ سے زیادہ چندہ دینا چاہئے۔

آندھرا کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ بمکان سری واس ریڈی صاحب وکیل منعقد ہوگا جس میں آندھرا کانفرنس ہرلوم کی منظورہ قراردادوں کو روبہ عمل لانے کے متعلق غور کیا جائیگا۔

مسٹر راجگوند راؤ صاحب اور دیگر جیسے ارکان آندھرا کانفرنس نے بھی کونڈھرلا درم کانفرنس کی قرارداد اصلاحات سے اختلاف تھا مجلس عاملہ سے استعفیٰ دیدیا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ان اصحاب نے اپنا استعفیٰ واپس لے لیا ہے تاکہ کانفرنس کا کام کسی اختلاف رائے کی وجہ سے متاثر نہ ہو

بیان کیا جاتا ہے کہ بعض مسائل میں مشورہ کرنے کے لئے سوامی راما نند تیرتھ وارد ورنگل ہوئے ہیں

سندھ جون گوگی گوڑہ میں مسٹر وسنت راؤ کھیڑکر کی رہائی پر ہندو دھرما منڈل ہند و سول لبرٹیز یونین آریہ سماج سیتارام باغ اور ہندو یوگ سبھا کی جانب سے ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مسٹر بھگوان گوکل رام وغیرہ نے تقریریں کیں اور مسٹر وسنت کو مبارکباد دی گئی۔

مبارز آندھرا کانفرنس کی شاخیں میلے گاؤں، جالنہ اور کرنول میں قائم کی گئیں اور اورنگ آباد میں آرگنائزر مقرر کئے گئے

مسٹر فتح اللہ خان اپنے ایک صحافتی بیان میں کہتے ہیں کہ حکومت برطانوی ہند کے ڈیفنس کانفرنسوں میں حکومت حیدرآباد کے نمائندے شریک ہوتے رہے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اس کے نتیجے کے طور پر حکومت کی قدیم عالی پالیسی میں کوئی فرق رونما نہیں ہوا۔ وقت آگیا ہے کہ حالات جنگ کے مدنظر حکومت آج اور موجودہ کے درمیان ایک توازن قائم کرے۔

گورا سٹ پیٹھ میں مجلس اتحاد المسلمین کی ایک شاخ قائم کی گئی۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر ۱۰ امرداد کو بلوچستان روانہ ہوں گے اور ۲۰ امرداد تک بلدہ واپس آنے کی توقع ہے

مولانا نذیرالدین تیمی صاحب صدر اتحاد المسلمین چیلہ پورہ کی نگرانی میں جماعت ترک اسراف ورسوم قائم کی گئی ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو ترک اسراف ورسوم کی ترغیب دینا ہے جماعت کا دفتر بوقت مسرل چیلہ پورہ میں قائم کیا گیا ہے

مجلس اتحاد المسلمین بیجل گوڑہ کے سالانہ جلسہ کے سلسلہ میں مجلس عاملہ کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں انتظامات کی تکمیل کے لئے ذیلی مجالس قائم کی گئیں۔

ضلع کانفرنسوں کی نسبت

نواب بہادر یار جنگ بہادر کا بیان

ضلع کانفرنسوں کی نسبت قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے دکن نیوز کو بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کی تحریک تو مجلس اتحاد المسلمین نے اپنے اس بیان میں کی تھی جو آئنگر کمیٹی کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ آئنگر کمیٹی کی دانشمندی داد کے قابل ہوتی اگر اس نے رعایا کی ضرورت و جذبات کے معلوم کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ اختیار کیا ہوتا مجالس قانون ساز کو قانون سازی سے بڑھکر اس مقصد کے لئے بھی استعمال کرنا جمہوریت کی وہ بدعات ہیں جو ہندوستان اور خصوصاً حیدرآباد جیسی بادشاہت میں قطعاً مفید ثابت نہیں ہوسکتیں۔ اب بھی موقع ہے کہ حکومت مجالس قانون ساز کو صرف قانون سازی کے لئے مخصوص رکھے۔ اور رعایا کی ضروریات معلوم کرنے کے لئے اس دست ذریعہ کو زیادہ کارآمد بنائے اس سال جو چار کانفرنس منعقد ہوئیں ان سے متعلق اخباری خبروں کے علاوہ جو تفصیلی اطلاعات مجھے وصول ہوئیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہدہ داران متعلقہ کو اپنے حدود عمل میں رہنے والی رعایا سے براہ راست تعلق کے اچھے مواقع حاصل ہوئے اگر ان میں پیش کردہ ضروریات کی بروقت تکمیل ہوتی رہی تو مجھے یقین ہے کہ ان چیزوں سے ریاست والوں کو جو رعایا کو اپنا آلہ کار بنانے میں شر انگیزیوں کے کم سے کم مواقع حاصل ہوں گے۔

لیکن یہ ساری کانفرنسیں ناکام ثابت ہوں گی اگر عہدہ داران مقامی میں کامل احساس فرض بیدار ہو اور وہ ملازمت کو ذریعہ معیشت سمجھنا چھوڑ کر ایک عبادت تصور کرنے لگیں۔ رعایا حکومت سے صرف اسی وقت بدظن ہوتی ہے جب ان پر براہ راست حکومت کرنے والے دیانت و فرض شناسی کو ملحوظ نہیں رکھتے۔"

پہلے اتحاد یا آزادی

(بقیہ صفحہ ۱)

معذرت خواہ ہوں کہ میں نے ملک کی سیاسیات میں جس سے خیال ظاہر کیا گیا ہوں مداخلت کی ہے۔

جانوروں سے خود کو اور جانوروں کو حملے سے بچاؤ

پرامن نے نام پر چھوٹے بہت سوختی اور لاپروائی سے پرورش کے جانے والے جانور جو عام طور پر سڑکوں اور بازاروں میں پھرتے رہتے ہیں بیمار ہوں کے وہ جانور جن کو باندھ رکھا جاتا ہو یا ایسے جانور جو ہانے سے گر گئے ہوں۔ یہ تمام ہوائی حملے کے وقت انسان کے لئے باعث تکلیف ہوسکتے ہیں۔

ہوائی حملے کے وقت یہ خوف زدہ ہوکر گلیوں اور سڑکوں پر بھاگنا شروع کردیں گے۔ اس وقت شاکاران لے آر۔ پی۔ اور دیگر لوگوں کا ان سے ٹکرا کر زخمی ہوجانے کا اندیشہ ہوسکتا ہے اور خود ان کا مجروح ہونا اور ہلاک ہوجانا بھی ممکن ہے ان کی موت میں ان کی وجہ سے آمد و رفت میں رکاوٹ پیدا ہوگی اور بہت ضروری خدمات مثلاً فائر بریگیڈ، ایمبولنس کار، طبی امداد وغیرہ کے گزرنے میں دقتیں ہوں گی۔

اگر حسب ذیل باتوں پر عمل کیا گیا تو خطرے کے وقت مویشیوں سے کسی قسم کی تکلیف اور نقصان ہونے کا احتمال نہیں ہوسکتا ہے۔

(۱) خطرے کی گھنٹی بجتے ہی فوراً تمام جانوروں کو جو سڑکوں پر گاڑیوں وغیرہ میں جُتے ہوئے ہوں کھول دیا جائے اور ان کے گلے پیر ملا کر باندھ دیا جائے۔

(۲) ہوائی خطرے کی گھنٹی بجتے ہی کتوں اور بلیوں کے منہ پر چمڑے کا زنجیرے ان کو باندھ دینا ضروری ہے۔

(۳) تقریباً چار فٹ لمبی رسی پاؤں باندھنے اور رسٹ باندھ، جانور کو دھرسے باندھنے کے کافی ہے۔ یہ تمام چیزیں ہر جگہ آسانی سے ملنے پاس بیٹھ کر دونوں رسیاں ملا کر رکھنا چاہئیں تاکہ خطرے کے وقت ان سے کام لیا جائے۔

(۴) جو مویشی چرنے کے لئے میدانوں میں جاتے ہیں اور ایسے آئے ہیں ۶۰ جو چھوٹے چھوٹے گروہوں میں چرتے ہیں کہ ہر ایک گروہ میں ۲۰ جانور سے زیادہ نہ ہوں۔ ہر جانور کی گردن کو باہم ایک دوسرے سے رسی میں باندھ دینا چاہئے ہر گروہ پر ایک آدمی مقرر ہو جو خطرے کے وقت ان کے پیر وغیرہ جلدی سے باندھ دے۔

(۵) ممکن ہو تو جانوروں کو جو ہانکے لے جا رہے ہیں گھر ہی میں مضبوط باندھ کر ان کے دانہ چارے کا انتظام کیا جائے تو بہتر ہے۔

(۶) خطرے کی گھنٹی بجنے پر جانوروں کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر ہرگز نہ لے جانا چاہئے بلکہ اسی مقام پر ان کے پیر اور گلے میں رسی ڈالکر ایک دوسرے سے باندھ کر کسی درخت وغیرہ سے باندھ دینا چاہئے۔

(۷) جو لوگ ان جانوروں کو عام طور پر سڑک وغیرہ میں پھرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں ان کو چاہئے کہ آئندہ سے اپنے جانوروں کو باندھ رکھیں۔ تاکہ ان کے جانور اور انسان دونوں خطرے سے محفوظ رہیں۔ (معلومات عامہ)

حتی الامکان وعدہ کی پابندی اور بہترین ساخت کا مرکز احمد پریس چار مینار حیدرآباد دکن ہے

قواعد معاشداران کی التوا

نواب دوست محمد خان کا بیان

نواب دوست محمد خان بہادر جاگیردار دولت آصفیہ نے جو قواعد معاشداران کے سلسلہ میں مجلس جاگیرداروں کے وفد کی نمائندگی کر چکے ہیں، حضرت اقدس و اعلیٰ کے فرمان مبارک سے ان قواعد کے تا حکم ثانی التوا پر حسب ذیل بیان جاری کیا ہے۔

"از راہ مراحم خسروانہ حضرت بندگانعالی نے قواعد معاشداران کا نفاذ تا حکم ثانی ملتوی فرما دیا ہے۔ یہ خبر یقیناً جملہ معاشداران مملکت آصفیہ کے لئے اور خاص طور سے میرے لئے احساس تشکر گذاری کا موجب ہے چند ماہ قبل مجھے یہ عزت حاصل ہوا تھا کہ بجانب طبقہ جاگیرداران مجلس کے وفد کی نمائندگی کروں جو حکومت سرکار عالی سے ترمیم قواعد مذکور کے سلسلہ میں ملاقی ہوا تھا۔ مجھے امید ہے کہ معاشداران میں قوم و ملت کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اور جو تبدل و تحول آصفی سے کشیدہ حاصل کر رہے ہیں، وہ اپنی مسرت کی بروایتی خیرخواہی مالک و ملک کو برقرار رکھتے ہوئے۔ اس امر کی ضرورت پیدا نہ ہونے دینگے کہ ان غیر متزلزل وفاداری و عقیدت شعاری جو ان کو اپنے بادشاہ ذی جاہ کی ذات والا صفات کے ساتھ ہے اس پر کوئی حرف گیری کر سکے۔

یہ صحیح ہے کہ زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ ہم اپنے مالک اور ملک کی خدمت عوام کے ساتھ ہو کر عامۃ الناس کی خدمت کے ذریعہ بھی کر سکتے ہیں لیکن وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے۔"

واشنگٹن میں مشورے

مسٹر چرچل اور مسٹر روزولٹ کا مشترکہ بیان

واشنگٹن ۲۳ جون۔ مسٹر روزولٹ اور مسٹر چرچل نے اپنی گفتگو کے متعلق ایک مشترکہ بیان شائع کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:-

پریسیڈنٹ اور وزیر اعظم نے اعلیٰ بحری، فوجی اور ہوائی احکام کی مدد سے واشنگٹن کی کانفرنسوں کا سلسلہ جاری رکھا ہے جس کا آغاز جمعہ سے ہوا ہے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے انتہائی حد تک متحدہ جنگی طاقت کو دشمن کے مقابلہ میں جمع کیا جائے اور ان تمام کاروائیوں کو جن کا تعلق … متحدہ اقوام کی مساعی کو تقویت اور ترقی دینے کے لئے ہم آہنگ کیا جائے۔ قدرتی طور پر یہ ناممکن ہے کہ ان مباحث کے متعلق کوئی تفصیلی بیانات شائع کئے جائیں۔ ایسا کرنا خاص آرائی سے دشمن کو … ہو سکتا۔ مجوزہ وسیع اور پیچیدہ معاملہ پیش نظر ہیں ان کے متعلق تمام متعلقہ اقوام میں کامل مفاہمت اور ہم آہنگی موجود ہے۔ تفصیل کے کئی نتائج اور اہم نکات جن کا مراسلت کے ذریعے کر کے مشورہ کیا ان کو تکمیل افسروں نے پریسیڈنٹ اور وزیر اعظم کے مشورہ سے سمجھایا ہے۔

پریسیڈنٹ کے سکریٹری نے یہ بیان حوالے کرتے ہوئے اخبار نویسوں سے کہا کہ یہ صرف درمیانی بیان ہے ان مباحث پر عنقریب ایک آخری رپورٹ بھی شائع کی جائیگی۔

مسٹر ہیری ہاپکنس کی تقریر

نیویارک ۲۳ جون۔ گذشتہ شب مسٹر ہیری ہاپکنس افسر نظم و نسق پٹہ و قرضہ نے یہاں ایک تقریر کے دوران میں کہا کہ مسٹر چرچل کو صرف یہاں ایک کام ہے اور وہ پریسیڈنٹ اور امریکی و برطانوی فوجی مشیروں کے ساتھ جنگ کی جارحانہ حکومت عملی کا نقشہ تیار کرنا ہے۔ انہوں نے حاضرین جلسہ کو یقین دلایا کہ ان کا یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔

جنگ کے صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے پوچھا کہ ہماری تیس لاکھ تربیت یافتہ بری فوج کیا ہوئی جو عصری یکتائی ساز و سامان سے آراستہ ہے۔ میں آج شب کو حاضرین جلسہ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہماری فوج کے بڑے لیڈر جنرل مارشل نے ان آدمیوں کو ٹھنڈا دکھی کے لئے تربیت نہیں دی ہے۔ دوسرا محاذ؟ ہاں اور اگر ضرورت ہوئی تو تیسرا اور چوتھا محاذ جرمن فوج کو ہماری اقدامی فولادی حلقہ میں محصور کرنے کے لئے۔ ہٹلر کی تنبیاں ہر وقت سرد تر ہوتی جارہی ہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مشرقی محاذ پر روسی فوج اور دیگر محاذات پر برطانوی و امریکی فوجیں۔ کب اور کہاں وہ نہیں جانتے اس کی ڈینگ لگانے والی پانزر ڈویژنوں کو بھگا دیں گی اور متحدہ ہوائی طاقت یکے بعد دیگرے اس کے شہروں کو برباد کر دے گی۔

ہٹلر کا نام نہاد حلیف اطالیہ جس کی قیادت اس سونے اور مفلوج ہو جانے والا ولیعہد یا سرلینی کے ہاتھ میں ہے پہلے شدید حملہ میں ہوا سے بھرے ہوئے غبارہ کی طرح گر جائے گا۔

جیسا جیسا یہ فولادی حلقہ ہٹلر کی فوج کے اطراف تنگ ہوتا جائے گا اس وقت جرمن لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ان کے مجرم اور قابل نفرت قائد نے ان کو دھوکا دیا۔ وہ بھی اس کی پیٹھ سے نکل جانے والی دغا زدہ ہو کے انتقام لیں گے۔

یہ صحیح ہے کہ برطانیہ کے معاملات شدید طور پر بر عکس ہو گئے رہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ تمام دنیا کے بیرونی مقامات پر ان کی فوجیں کا کوئی زبردست نہیں ہیں۔ امریکی طاقت عظیم میدان جنگ کے قریب تر حرکت کر رہی ہے جہاں آخری جنگ لڑی اور فتح کی جائے گی میں خود یہ دیکھ کر مطمئن ہوں کہ ہماری خاص فوجیں طاقتور اور مضبوط برطانوی سپاہیوں ملاحوں اور ہوابازوں کے دوش بدوش لڑ رہی ہے۔

ہم برطانیہ کے احسان مند ہیں لیکن ہم اس کا پورا پورا معاوضہ ادا کرنا چاہتے ہیں مسٹر چرچل اپنے ساتھ ہمارے دیقان اور فوجی طاقت کی تجدید کا اعتقاد و یقین اپنے ساتھ لیکر واپس ہوں گے۔

ہم ہندوستان سے ہٹنے والے نہیں ہیں

(بقیہ صفحہ ۷)

اس کے بعد مزید گفت و شنید ہوئی جس سے میں سمجھا کہ مسٹر گاندھی سے مشورہ کیا گیا اور پھر مزید تاخیر کے بعد کانگریس نے ان تجاویز کو رد کر دیا۔

گاندھی جی کا رجحان

میں گاندھی کے خلاف ایک حرف بھی نہیں کہنا چاہتا جہاں تک گاندھی عدم تشدد کے اعلیٰ نصب العین کے علمبردار ہیں وہ ہندوستان کو جنگ میں مبتلا ہوتا نہیں دیکھ سکتے اور خصوصاً کانگریس کو اس طرح اس میں الجھا ہوا دیکھنا نہیں چاہتے میں مسٹر جواہر لال کے مرتبہ کو بلند کرتا اور ان کو سمجھتا ہوں۔ تا اصلیت اور نازیت سے ان کی مخالفت اساسی طور پر محض قومی تصورات سے سر پر وہ نہیں پڑ سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اس معاملہ میں فی الحال اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے جیسا کہ میں دیکھتا ہوں اب ہندوستان میں تشدد و عدم تشدد کے درمیان کشمکش جاری ہے اور یہاں انگلستان میں ہم سب لوگ دوسری صورت حال کے پیدا ہونے کے اشتیاق کیساتھ منتظر ہیں بہر حال میرا خیال خلوص کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اب بھی ہم پہلے کی طرح مفاہمت کے متمنی ہیں۔

تہذیب کا مستقبل

(بقیہ صفحہ ۵)

سیاروں سے بیرونی حالات میں کام لیں اور اپنا سیاسی فریضہ ادا کریں ان کی مدد کے لئے اب بھی بہت کچھ کیا جا سکتا ہے اور اس سے بہت پہلے کیا جانا چاہئے تھا۔